اپریل
۲۰۱۱ء

اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

مدیر: ڈاکٹر مُحمد امین

ماہنامہ البرہان

جلد ۲۰، شمارہ ۴ اپریل ۲۰۱۱ء/ جمادی الاوّل ۱۴۳۲ھ

مشمولات

○حالات حاضرہ

استعمار کا نیا بھیس	ڈاکٹر مظفر اقبال	۲
پاکستانی معاشرے کا بحران اور اس کا حل (۲)	ڈاکٹر محمد امین	۵
پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی	مدیر	۱۴

○تعلیم و تربیت

دینی مدارس کے لیے لمحۂ فکریہ	ڈاکٹر محمد امین	۲۳
تعلیمی ثنویت کے نقصانات	مولانا خلیل الرحمن قادری	۳۰
بچے کی اسلامی تربیت میں سکول انتظامیہ کا کردار	مدیر	۳۲
تعلیم کی بربادی	ادارہ	۳۷

○ہمارا دینی تناظر

علماء دیوبند اور بریلی کے اتحاد کا ایک تاریخی معاہدہ	ادارہ	۳۹

○تزکیۂ نفس

طولِ امل ـــــ نقصانات اور علاج	علامہ احمد جاوید	۴۲
شیطان ہمیں کیسے ورغلاتا ہے؟	ڈاکٹر گوہر مشتاق	۴۷

○ فہرست تالیفات ڈاکٹر محمد امین	ادارہ	۵۴

ڈاکٹر مظفر اقبال☆

استعمار کا نیا بھیس

تعصب، منافقت اور دو رُخہ پن کا نقاب اوڑھے اور نشہ طاقت میں سرشار دنیا کے چار ممالک (امریکہ، برطانیہ، فرانس اور جرمنی) مسلم دنیا پر اس وقت حکمرانی کر رہے ہیں لیکن دنیا نہ تو ان کے عزائم اور منصوبہ بندی کو سمجھتی ہے اور نہ ہی کہیں ان کی سٹریٹجی کے تحقیقی مطالعہ کا انتظام نظر آتا ہے۔ اکثر لوگوں کو اس نئے استعماری گروہ ، جو درحقیقت پرانے استعمار ہی کا تسلسل ہے، کے کرتوتوں کے نتائج وعواقب کا، جس کا مرکز واشنگٹن ہے، ابھی تک صحیح اندازہ نہیں ہے۔

بظاہر یہ چاروں ممالک ہر معاملے میں متحد نظر نہیں آتے اور نہ ان کی خارجہ پالیسی ہی ایک لگتی ہے لیکن جب مسلم دنیا کا کوئی معاملہ سامنے آتا ہے تو یہ متحد ہوکر سازش کرتے ہیں، باہم تعاون کرتے ہیں اور مل کر حملہ کرتے ہیں۔ عراق پر حملہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے جس کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں تھا۔ حال ہی میں منحرف عراقی سائنس دان رافد علوان الجنابی نے ، جسے امریکی اور جرمن خفیہ ایجنسیوں نے Curve Ball کا کوڈ نام دیا تھا، اور جس نے عراق جنگ سے پہلے یہ بیان دیا تھا کہ عراق میں مہلک کیمیائی ہتھیار موجود ہیں، تسلیم کیا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا تھا۔ لیکن ظاہر ہے امریکی اور جرمن اتنے بھولے نہیں تھے کہ انہیں اصل معاملے کی خبر نہ تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے الجنابی کو استعمال کیا جس طرح کہ الجنابی نے ڈالروں اور سیاسی پناہ کے لیے انہیں استعمال کیا اور تباہی و بربادی عراقیوں کے حصے میں آئی۔

چار ممالک کے اس نئے استعماری ٹولے اور پرانے استعمار میں بہت سی خصوصیات مشترک ہیں بشرطیکہ کوئی ان کے بظاہر خوشنما الفاظ اور نعروں کے پیچھے جھانک کر دیکھ سکے خصوصاً یہ بات کہ وہ مسلمانوں، ان کے دین، تہذیب اور ان کے فکر و عمل سے نفرت کرتے ہیں۔ یہ وہ مافیا ہے جو اپنے مفاد کے لیے ہر وقت جمہوریت کے نعرے لگانے کے باوجود دہائیوں سے عالم اسلام میں درجنوں آمر پال رہا ہے اور جب بدلتے ہوئے حالات میں اسے نئے مہرے کی ضرورت ہوتی ہے تو راتوں رات ان آمروں کے خلاف ہوجاتا ہے جیسے مصر میں اس کا حلیف حسنی مبارک کل تک بہت بڑا سیاسی

☆ ڈائریکٹر سنٹر آف اسلام اینڈ سائنس، کینیڈا

مدبر تھا اور نہایت دانشمندی سے مصر کا نظام حکومت چلا رہا تھا لیکن اگلے دن 'جمہوریت' کا تقاضا یہ تھا کہ اسے صدارت چھوڑ دینی چاہیے تا کہ تازہ دم مہرہ اس کی جگہ لے سکے۔

نئے استعماری ٹولے کی بنیادی پالیسی وہی ہے جسے اس سے پہلے استعماری عہد میں برطانیہ، فرانس اور جرمنی نے استعمال کر کے مسلم دنیا کے بڑے حصے پر آرام سے حکومت کی تھی اور وہ یہ کہ دولت سے میر جعفروں اور میر صادقوں کو خرید لو اور (بنگال کے) سراج الدولہ اور (میسور کے) ٹیپو سلطان جیسے مخالفوں کو کچل دو۔ ان جیسے غداروں کی وجہ سے ہی برصغیر کو کئی برسوں تک غلامی کا طوق پہننا پڑا تھا۔ ایسے میر صادقوں اور میر جعفروں کی آج بھی کمی نہیں جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے قوم و ملک کو بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

اس نئے استعماری چار کے ٹولے کی کامیابی کا انحصار آج بھی اسی پرانی پالیسی پر ہے اور جہاں بھی اسے ضرورت ہوتی ہے وہ میر جعفروں اور میر صادقوں کو اپنی دولت سے خرید لیتا ہے جو اسے بسہولت اور بکثرت مل جاتے ہیں۔ اسی بناء پر اسے سارے عالم میں یمن سے لے کر مراکش تک، ایسے پالتو حکمران ملے ہوئے ہیں جو اس کے اشارۂ ابرو پر دُم ہلاتے رہتے ہیں۔ اسے سابقہ استعماری دور کا تسلسل ہی کہا جا سکتا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ اس نئے استعماری چار کے ٹولے کو مسلم ممالک کی فوج سے بھی اب ایسے جرنیل اس قسم کی پالتو حکمرانی کے لیے مل جاتے ہیں۔

انیسویں صدی کے برعکس نئے استعماری ممالک اب براہ راست حکمرانی پر اصرار نہیں کرتے کیونکہ انہیں مسلم ممالک میں اب ایسے سیاسی گروپ اور وار لارڈز (اور فوجی جنرل) آسانی سے مل جاتے ہیں جو بعض اوقات ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں لیکن مغربی آقاؤں کے مفادات کی غلامی کے لیے ہر وقت تیار ملتے ہیں۔ جیسے انہیں پاکستان میں جنرل پرویز مشرف کے بعد زرداری مل گیا اور مصر میں حسنی مبارک کے بعد سلیمان مل گیا۔

تاہم قدرت کا ایک اپنا نظام ہے جس کی رُو سے تاریخ کے میدان میں نئے عوامل ابھرتے رہتے ہیں چنانچہ آج کل مسلم ممالک میں ایک نیا فیکٹر ابھر رہا ہے جس کی وجہ سے اہل مغرب کے لیے اپنے پالتو مسلم حکمرانوں کے ذریعے مفادات کا حصول مشکل تر ہوتا جا رہا ہے کیونکہ مسلمان عوام نے ان کے کھیل کو سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ ان کے ساتھ ہاتھ کون کر رہا ہے اور کیسے کر رہا ہے؟ اس وجہ سے

گماشتہ حکمرانوں کا عرصہ اقتدار تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مسلم عوام میں یہ بیداری کیسے پیدا ہو رہی ہے، کیونکہ یہی بیداری ایک دن نئے استعماری ڈھانچے کو راکھ کا ڈھیر بنا دے گی ،ان شاء اللہ۔

مسلم دنیا میں جو تبدیلی راہ پا رہی ہے اس کا محرک مسلم دنیا کے دانشوروں کا ایک مختصر سا گروپ ہے جو عوام کو یہ بتا رہا ہے کہ ان کے ساتھ ہو کیا رہا ہے بعض ممالک میں اس حوالے سے عدلیہ کا بھی ایک کردار ہے لیکن یہ بات ابھی ہر ملک پر صادق نہیں آتی۔ اس تبدیلی کا محرک نوجوان دانشوروں کا وہ گروہ ہے جس نے مغربی جارحیت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اس میں کچھ دلیر اور دیانت دار صحافی بھی شامل ہیں جنہوں نے الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے عوام کو حقائق سے آگاہ کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس سے استفادے کے لیے پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں اور یہی امر اس سے پہلے مسلمان عوام کی بیداری میں ایک اہم رکاوٹ رہا ہے۔ ان نوجوان صحافیوں اور دانشوروں کی کوئی سیاسی بنیاد نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنے معاشرے کے حالات کا تجزیہ کر کے خود یہ کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور وہ نئے استعماری چار کے ٹولے کے لیے مسلم امہ کو غلام رکھنے کے منصوبے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔

گماشتہ مسلم حکمرانوں کے اپنے ہی عوام کے خلاف اقدامات اور ان حکمرانوں کے خلاف نوجوان صحافیوں اور دانشوروں کی اس مزاحمت نے مسلم معاشرے میں کشمکش اور فساد کو جنم دیا ہے جس کی وجہ سے وہاں زندگی پُرامن اور پُرسکون نہیں رہی۔ مغرب کے یہ پالتو حکمران ہر وہ قدم اٹھانے کو تیار ہو جاتے ہیں جس کا حکم ان کے آقا انہیں دیں خواہ وہ کتنا ہی کریہہ اور عوام دشمن کیوں نہ ہو۔ اور مصیبت یہ کہ ان کی اکثریت اتنی کرپٹ ہے کہ وہ اپنے بل بوتے پر حکمران رہ ہی نہیں سکتی جب تک اس نئے استعماری چار کے ٹولے کی حمایت انہیں میسر نہ ہو چنانچہ وہ ہر معاملے میں امریکہ اور اس کے حلیفوں کے مفادات کا خیال رکھتے ہیں۔ نئے استعماری چار کے ٹولے اور ان کے ساتھ پالتو مسلم حکمرانوں کا یہ گٹھ جوڑ سارے عالم اسلام میں بہت واضح ہے اور حال ہی میں مصر میں جو کچھ ہوا، اس کے بعد اس کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی جہاں 'نئے' حسنی مبارک نے 'پرانے'

حسنی مبارک کی جگہ لے لی ہے اور اب دجل وفریب کے نئے بھیس میں وہ اس چار کے نئے استعماری ٹولے کے مفادات کے تحفظ کے لیے کام کرتا رہے گا اور مصر کے مسلم عوام اپنی خواہشات کی چتا میں جلتے رہیں گے۔ (شکریہ دی نیوز)

ڈاکٹر محمد امین

پاکستانی معاشرے کا بحران اور اس کا حل (۲)

اس وقت تک ہم نے جو کچھ عرض کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کی دینی قوتیں اسلامی احکام پر عمل اور ریاستی قوت سے ان کے نفاذ کے لیے جو کوششیں کر رہی ہیں ان کو مزید مؤثر بنانے کی ضرورت ہے (اور اس کے لیے ٹھوس تجاویز ہم نے دی ہیں) مزید یہ کہ ریاستی قوت کے بغیر بھی سماجی سطح پر اس طرح منظم ہوکر، جس کی اجازت ملک کا آئین وقانون دیتا ہے، دینی احکام پر عمل کے حوالے سے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے جو اس وقت کوئی نہیں کر رہا —— لیکن ہونا چاہیے۔ زندگی کے کچھ شعبوں کے بارے میں ہم اس کا تذکرہ بر سبیل مثال کریں گے کہ وہاں کیا کیا جا سکتا ہے۔

بطور تذکیر وتلخیص ہم دوبارہ یہ بھی عرض کر دیں کہ ہم جن کاموں کے کرنے کی تجویز دے رہے ہیں ان کی نوعیت کیا ہے؟ ہم نے غیر سیاسی سطح پر اجتماعی قوت سے عصری حالات ومسائل کے تناظر میں اسلامی احکام اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے اور غیر اسلام کو رد کرنا ہے (وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْه۔۔۔[آل عمران ۵۸:۳]) خصوصاً مغربی فکر وتہذیب کو جو اس وقت غیر اسلام کی سب سے بڑی مظہر اور بطور نظام حیات اسلام کی متبادل اور مدمقابل ہے اور چونکہ طاقت ور اور غالب ہے اور اس کی علمبردار عالمی طاقتیں مسلم معاشرے میں اس کے نفوذ ونفاذ کے لیے ترغیب وترہیب کا ہر سامان کر رہی ہیں اور مسلمان اپنی کج فہمی اور کم فہمی سے اس کی طرف لپکے جا رہے ہیں لہٰذا مغربی تہذیب کا رد ناگزیر شرعی تقاضا ہے☆۔ اب ہم مختلف شعبہ ہائے حیات میں مطلوب کاموں کی طرف آتے ہیں۔

☆ مغربی تہذیب کی کلی یا جزوی قبولیت پر جتنے دلائل دیے جا سکتے ہیں ہم انہیں اپنی کتابوں میں بدلائل رد کر چکے ہیں مثلاً دیکھیے اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش اور مسلم نشأة ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل۔ یہاں اگر ہم نے ان دلائل کا اعادہ کیا تو موضوع سے ہٹ جانے کا خدشہ ہے۔

تعلیم وتربیت

۱۔ ہمارے ہاں تعلیم میں موجودہ ثنویت یا دوئی (یعنی یہ کہ معاشرے میں مروج 'دینی تعلیم' میں دنیوی علوم کا گزر نہیں اور 'جدید تعلیم' سیکولر بنیادوں پر منظم ہے اوراس میں مطلوب حد تک مذہبی تعلیم اور دینی تقاضوں کا اہتمام نہیں) غیر اسلامی ہے۔اسے ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ:

i۔ جدید تعلیمی ادارے اپنے نصاب پر نظر ثانی کریں۔ دینی تعلیم کا ایک جامع نصاب اپنے ہاں رائج کریں اور دنیوی علوم (خصوصاً عمرانی علوم یعنی Social Sciences) کا نصاب ایسا ہو جو متعلقہ شعبے میں اسلامی رہنمائی کی موجودگی کو یقینی بنائے۔ نیز تعلیم میں مغربی فکر وتہذیب کے غلبے کی راہ ہموار کرنے والے عوامل کو لازماً ترک کر دیا جائے۔ ان عوامل میں سے کچھ اہم یہ ہیں: ۱۔ انگریزی ذریعۂ تعلیم ۲۔غیر مسلم اور غیر پاکستانی مصنفین کی مرتب کردہ نصابی کتب جیسے آکسفورڈ کی کتابیں ۳۔غیر ملکی اداروں کے امتحانات جیسے او اور اے لیول کے امتحانات ۴۔طلبہ اور اساتذہ کا مغربی لباس اور یونیفارم پہننا ۵۔مخلوط تعلیم ۶۔مغربی لائف سٹائل سے ہم آہنگ غیر نصابی سرگرمیاں جیسے مخلوط مینا بازار، پکنک،لغو ڈرامے،کنسرٹ۔۔۔وغیرہ۔

تعلیمی انتظامیہ اور اساتذہ کی ایسی تربیت کا انتظام ہو کہ وہ خود دینی تعلیمات پر عمل کریں اور طلبہ کو عملی اور اچھا مسلمان بنانے کا ہنر سیکھیں تاکہ وہ ان کی سیرت وکردار کی تعمیر کا کام کر سکیں۔

ii۔ دینی تعلیم اس طرح دی جائے کہ وہ اپنے فضلاء کو عصر حاضر کے مسائل میں رہنمائی فراہم کرنے کے قابل بنائے اور وہ عصری اسلوب اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہومثلاً اسلامی فقہ یا قانون کی تعلیم دینی ہوتو اسلامی اصول وفقہ کے ساتھ مغربی قوانین اور اصولوں کا تقابلی مطالعہ بھی کیا جائے اور پاکستانی آئین وقوانین اور اہم عالمی قوانین (مثلاً اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹروغیرہ) بھی زیر مطالعہ آئیں اورعصر حاضر کے اجتہادی مسائل پر بھی گفتگو ہو، یا مثلاً اسلام کی معاشی تعلیمات پڑھائی جائیں اوراس طرح پڑھائی جائیں کہ مغرب کا معاشی فلسفہ وڈھانچہ اور پاکستانی معیشت کے مسائل بھی اس کا حصہ ہوں تاکہ علماء کرام عصر حاضر کے معاشی مسائل کا حل اسلامی تناظر میں بتا سکیں، یا مثلاً عربی صرف ونحو پڑھانی ہوتو جدید اسلوب میں پڑھائی جائے، قواعد رٹنے کا پرانا طریقہ ختم

کردیا جائے اور زبان اس طرح سکھائی جائے کہ اسے سننے، سمجھنے، بولنے اور لکھنے کی مہارتیں طلبہ کو حاصل ہوجائیں۔

ان باتوں پر عمل کیسے ممکن ہے؟

i۔ پرائیویٹ سیکٹر میں سکول، کالج، یونیورسٹیاں اور دینی مدارس چلانے والے اصحاب ان تجاویز پر عمل کریں اور وہ ایسا کرسکتے ہیں اور اس میں کوئی امر مانع نہیں اور بظاہر جو امور آڑے آسکتے ہیں ان کا حل موجود ہے صرف نیت اور عزم صادق ہونا چاہیے☆۔

ii۔ ان صفات کے حامل نئے سکول، کالج، یونیورسٹیاں، دینی مدارس اور اسلامک سنٹرز پرائیویٹ سیکٹر میں بنائے جا سکتے ہیں۔بنکنگ سیکٹر میں اسلامی ذہن کے لوگ اگر مل بیٹھ کر سوچیں تو غیر سودی بنیادوں پر ایک ایجوکیشن بنک قائم کیا جا سکتا ہے جو ملک بھر میں اس طرح کے تعلیمی ادارے قائم کرنے میں مدد کرے یا اس مقصد کے لیے ایک ملک گیر تعلیمی فاؤنڈیشن یا ٹرسٹ بنایا جا سکتا ہے جس میں لوگ فروغ تعلیم کے لیے اپنے عطیات اور زکوٰۃ و صدقات جمع کروائیں (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

iii۔ ان کاموں کو منظم کرنے کے لیے تنظیمیں اور ادارے بنائے جا سکتے ہیں مثلاً ایسا ادارہ بنایا جاسکتا ہے جو مطلوبہ نصابات اور نصابی کتب تیار کرے اور ایسا ادارہ بھی بنایا جا سکتا ہے جو مطلوبہ صفات کے حامل اساتذہ تیار کرے۔ اسی طرح سے ایسی تعلیمی فاؤنڈیشن یا ٹرسٹ بھی بنائے جا سکتے ہیں جو موجودہ تعلیمی اداروں کو مجوزہ تعلیمی اصلاحات کی طرف راغب کریں، اور مذکورہ اصلاحی کوششوں کو منظم کریں۔ ان کاموں کی اہمیت میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ضرورت صرف احساس کرنے اور منظم کام کرنے کی ہے۔

تربیت

۱۔ تعلیم کی اصل غایت تربیت ہے جسے قرآن حکیم تزکیۂ نفس کہتا ہے اور عام فہم انداز میں اسے تعمیر

☆ ہم نے اس موضوع پر بے شمار مضامین لکھے ہیں، بروشرز شائع کیے ہیں اور کتب مدون کی ہیں مثلاً ۱۔ ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل ۲۔ ہمارا دینی نظامِ تعلیم ۳۔تعلیمی ادارے اور کردار سازی ۴۔مطالعہ قرآن وسنت برائے جماعت اوّل تا پنجم ۔۔۔وغیرہ اور اب بھی اس موضوع پر ہر اعتراض اور ہر سوال کا مدلل جواب دینے کے لیے تیار ہیں۔

سیرت و کردار کہا جاتا ہے یعنی نفس انسانی کی ایسی تربیت کہ وہ اللہ کا 'عبد' بن کر زندگی گزارنے لگے۔ یہی ایک مسلمان کی معراج ہے اور یہی وہ منزل ہے جس پر پہنچنے کے لیے سارے نظام تعلیم (تعلیمی ادارے کی انتظامیہ، اساتذہ، طلبہ اور والدین) کو جدوجہد کرنی چاہیے۔اس منزل تک پہنچنے کے وسائل ہیں موزوں نصاب، اساتذہ کی صحیح تربیت، تعلیمی ادارے کا مناسب ماحول اور اس مقصد سے ہم آہنگ ہم نصابی سرگرمیاں۔

۲۔ بڑوں کی تربیت بھی ہمارے نزدیک تعلیم ہی کی ایک توسیعی شکل ہے اور جس طرح شرح تعلیم کی بہتری اور معاشرتی ترقی کے لیے آج کل کی حکومتیں بچوں کی تعلیم کے ساتھ تعلیم بالغاں کا شعبہ بھی قائم کرتی ہیں اسی طرح مسلم معاشرے میں بالغوں اور بڑوں (grown ups) کی تربیت کا اہتمام بھی مسلم معاشرہ کرتا رہا ہے اور اب بھی اس کی شدید ضرورت ہے۔ اور یہ شعبہ بھی مسلم سوسائٹی کے دیگر شعبوں کی طرح چونکہ زوال کا شکار ہو چکا ہے اور وراثتی نظام، جہالت اور غیر اسلامی رسوم و رواج نے اسے برباد کر دیا ہے اس لیے اس کی تنظیم نو کی ضرورت ہے۔ بہرحال ایسی تربیت گاہیں قائم کرنی چاہئیں جہاں لوگ اپنی روٹین کی مصروفیات ترک کر کے کچھ دن قیام کریں اور تہذیب نفس اور دین پر عمل کا ریفریشر کورس کریں۔ ایسی تربیت گاہیں، تعلیمی اداروں خصوصاً یونیورسٹیوں کا حصہ بھی ہو سکتی ہیں۔ ان تربیت گاہوں کا لائحہ عمل اور طریق کار کیا ہوگا؟ اس مرحلے پر چونکہ تفصیلات دینا ہمارے پیش نظر نہیں لہٰذا ہم صرف ان کاموں کی نشاندہی پر اکتفا کریں گے جو معاشرتی سطح پر، حکومتی مدد کے بغیر، منظم کیے جا سکتے ہیں۔

میڈیا

غیر رسمی تعلیم کا ایک بڑا مظہر میڈیا ہے جس میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا شامل ہے۔ تاہم پرنٹ میڈیا پر بھی آج کل الیکٹرانک میڈیا چھا گیا ہے کیونکہ الیکٹرانک میڈیا سے استفادے کے لیے پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں۔ پرنٹ میڈیا کی طرح الیکٹرانک میڈیا بھی آج کل پرائیویٹ ہاتھوں میں ہے لہٰذا جس سوشل چینج کی ہم بات کر رہے ہیں اس کے لیے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں کام کو آسانی سے منظم کیا جا سکتا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے اس لیے کہ میڈیا آج کل بہت مؤثر ہے اور ہمارے عہد میں ذہن سازی اور فکر و عمل کی تشکیل میں انتہائی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ میڈیا کا یہ

کردار بدقسمتی سے مغربی فکر و تہذیب کی اندھی پیروی کی وجہ سے زیادہ تر تخریبی رُخ اختیار کر چکا ہے۔ یہ فکری انتشار پھیلا رہا ہے، اخلاقی اقدار تباہ کر رہا ہے اور مسلم معاشرے کو اسلامی اصول و اقدار سے ہٹا رہا ہے۔ جب کہ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اپنے ملی آدرشوں کے حوالے سے بے حمیتی کی حد تک بے حس ہیں اور مغرب چونکہ اپنے مقاصد کے لیے فعال، متحرک اور منظم ہے اس لیے خود ہمارے میڈیا ہی کے اندر سے یہ باتیں (یا افواہیں) باہر آرہی ہیں کہ اکثر بڑے چینلز، اینکر پرسنز اور اخبارات کو امریکہ نے 'خرید' رکھا ہے اور وہاں سے سادہ لوح مسلم عوام کو وہی دکھایا اور پڑھایا جا رہا ہے جو مغربی فکر و تہذیب کے علمبر دار مغربی ممالک چاہتے ہیں۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون**

دوسری طرف ہماری سادہ لوحی اور کور ذوقی بلکہ حماقتوں کا یہ حال ہے کہ جن لوگوں نے مذہبی چینلز کھول رکھے ہیں ان کے پیش نظر سستی قسم کی فرقہ واریت پھیلانے کے سوا کوئی بڑا مقصد نہیں۔ لہٰذا اس امر کی فوری ضرورت ہے کہ:

۱۔ اسلامی اور معاشرتی تبدیلی کے خواہاں عناصر ایسے چینلز (یا ابتداءً کم از کم ایک چینل ایسا) قائم کریں جہاں سے مسلم فرد کی ذہن سازی صحیح خطوط پر ہو یعنی وہ نہ صرف فحاشی وعریانی اور فرقہ واریت سے پاک ہو بلکہ اسے مغرب کی ملحدانہ فکر کے رد کا ادراک ہو اور جو اسلامی تعلیمات کو عامۃ الناس اور پڑھے لکھے عناصر دونوں کی سطح پر فنی اور علمی لحاظ سے مؤثر اور دلچسپ انداز میں پیش کر سکے۔ جب تک ایسا ٹی وی چینل قائم نہ ہو کم از کم پرائیویٹ پروڈکشن ہاؤسز کے ذریعے ایسے پروگرام ضرور تیار اور آن ائیر کرائے جائیں اور معاشرے میں پھیلائے جائیں اور اس کے لیے ابلاغ کی ساری ممکنہ صورتیں استعمال کی جائیں جیسے انٹرنیٹ، سی ڈی، ڈی وی ڈی، کیبل چینلز۔۔۔وغیرہ اور اس کے لیے حسب ضرورت باقاعدہ تنظیمی نیٹ ورک قائم کیا جائے۔

۲۔ دینی اہداف رکھنے والے لوگ فرقہ واریت اور پارٹی سطح سے اوپر اٹھ کر اسلامی کاز کے لیے کام کرنے کا سوچیں اور ایسے افراد کے گروپ تیار کریں جو منظم انداز سے اخبارات میں لکھیں اور حالات حاضرہ اور معاشرے میں ابھرنے والے نو بہ نو مسائل میں اسلامی حوالے سے صحیح نقطۂ نظر پیش کریں۔ اردو اخبارات میں بھی اس کی ضرورت ہے لیکن انگریزی پریس میں تو اسلامی تناظر میں صحیح نقطۂ نظر سے لکھنے والوں کی شدید کمی بلکہ قحط الرجال ہے۔

۳۔ ایسا میڈیا کالج یا انسٹی ٹیوٹ قائم کرنا چاہیے جہاں ایسے پروفیشنلز تیار کیے جائیں جو فنی مہارت رکھنے کے ساتھ دینی جذبہ بھی رکھتے ہوں تاکہ جب وہ پروفیشن میں جائیں تو دینی اقدار کی پاسداری اور ترویج کریں۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں ورکنگ جرنلسٹوں، میڈیا پروفیشنلز اور علماء کرام کی تربیت بھی کی جاسکتی ہے۔

معیشت

ا۔ محلے کی سطح پر ایسی کمیٹی بنائی جائے (چونکہ ہمارے ہاں ہر محلے میں مسجد ہوتی ہے اور نمازی بھی ہوتے ہیں [**والحمد للہ علی ذلک**] لہٰذا نمازی حضرات مل کر ایسی کمیٹی آسانی سے بنا سکتے ہیں) جو اپنے محلے کے غریبوں، محتاجوں اور بیواؤں کی فہرست بنائے اور محلے کے کھاتے پیتے لوگوں سے فنڈز جمع کرکے ان کی مستقل مدد کرے۔ اگر رقم زیادہ نہ ہو (مثلاً ایک سو روپے ماہانہ) تو متوسط طبقے کے اکثر گھرانے بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ بظاہر یہ کام معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن اگر یہ بتدریج پورے ملک میں منظم ہو جائے تو ایک ایسا سوشل سیکورٹی سسٹم پروان چڑھ سکتا ہے جس کی وجہ سے کسی محلے میں کوئی غریب بھوکا نہ سوئے اور کوئی بھوک سے خودکشی نہ کرے۔

۲۔ ملک میں جمع زکوٰۃ وصدقات کے لیے ایک ملک گیر 'زکوٰۃ فاؤنڈیشن' قائم کی جائے جس کو چلانے والے معاشرے کے ایسے نیک نام افراد ہوں جن کی بے لوثی، بے غرضی اور دیانت مسلمہ ہو تاکہ لوگ اس اعتماد سے اپنے زکوٰۃ وصدقات اس میں جمع کروائیں کہ ان کا صحیح استعمال ہوگا۔ اس فاؤنڈیشن کا نیٹ ورک اتنا منظم ہو اور ہر شہر اور قصبے تک وسیع ہو تاکہ ہر جگہ سے بحفاظت اس میں پیسے جمع ہوں اور تدبر، تنظیم اور منصوبہ بندی سے شفاف طریقے سے خرچ ہوں اور خرچ کی مدات واضح اور متعین ہوں جیسے بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی، تعلیم، صحت وغیرہ۔ مذکورہ بالا محلہ کمیٹیاں اس کی تنظیم میں ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔

۳۔ زکوٰۃ فاؤنڈیشن کی طرز پر 'حج فاؤنڈیشن' بھی بنائی جا سکتی ہے جس میں لوگ حج اور عمرے کے لیے پیسے جمع کرواتے رہیں۔ یہ فاؤنڈیشن حج سے متعلق دیگر امور بھی منظم کرے۔ خصوصاً اسے دینی و اخلاقی لحاظ سے فرد کے لیے مؤثر، مفید اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے بھی کام کرے۔ اسی طرح 'قربانی فاؤنڈیشن' بھی قائم کی جا سکتی ہے تاکہ عام لوگ ہر ماہ ایک متعین رقم جمع کراتے رہیں اور پھر عید کے

موقع پر انہیں بسہولت قربانی کا جانور میسر آ سکے اور ساتھ ہی انہیں قربانی کا مفہوم اور شرعی غایت بھی بتائی جا سکے۔

۴۔ 'اسلامی بنکنگ' کے نام پر ہمارے ہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ غلط اور نا قابل قبول ہے اور علماء کی اکثریت اسے رد کر چکی ہے کیونکہ مغرب کے بلکہ یہودیوں کے قائم کردہ بنکنگ کے نظام میں چند سرسری اور برائے نام اسلامی تبدیلیاں کر دینے سے یہ نظام اسلامی نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا مجموعی مزاج اور طریق کار علی حالہ باقی رہتا ہے اور اس پر اسلامی کا ٹھپہ لگ جاتا ہے (جیسا کہ ہم نے جمہوریت کے بارے میں کہا ہے کہ مغرب کی لادینی جمہویت میں چند لفظی تبدیلیوں کے بعد اسے 'اسلامی' ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے لیکن عملی صورت حال یہ ہے کہ اس مزعومہ اور برائے نام 'اسلامی جمہوریت' سے نہ ملک میں اسلام آیا ہے اور نہ دینی عناصر کو اقتدار ملا ہے (اور نہ آئندہ اس کا امکان نظر آ رہا ہے، بلکہ الٹا مغربی فکر و تہذیب اور اس کی لادینیت پر مبنی اقدار پورے معاشرے میں غالب آ چکی ہیں اور اسلام صرف مسجدوں اور مدرسوں میں رہ گیا ہے اور نیکی کے یہ 'جزیرے' بھی خطرے کی زد میں ہیں اور خدانخواستہ کسی وقت بھی مغربیت کے سیلاب میں بہہ جائیں گے)۔ اسی طرح موجودہ برائے نام 'اسلامی بنکنگ' یہودیوں کے سرمایہ دارانہ نظام کا کل پرزہ (Tool) بن کر رہ گئی ہے اور اس سے اسلام کے معاشی نظام کا احیاء ممکن نہیں ہے۔

جس چیز کی ضرورت ہے اور جو بالکل ممکن اور قابل عمل ہے وہ یہ ہے کہ علماء کرام اور سکالرز اسلامی ذہن کے بنکرز کے ساتھ مل کر بیٹھیں اور ایسے اداروں کی بنیاد رکھیں جو سچ مچ اسلامی بنکنگ ہو بلکہ اس کا نام بھی 'بنک' نہ ہو تو بہتر ہے۔ لیکن یہ ادارہ صحیح اسلامی معاشی اصولوں پر کام کرے اور لوگوں کی آج کی ضروریات بھی پوری کرے۔ یہ اگر کل ممکن تھا (اور ہم نے دنیا کو ایک ہزار سال تک ریاست کا معاشی نظام بلاسود بنیادوں پر چلا کر دکھایا) تو یہ آج بھی ممکن ہے کہ اللہ کا دین ہر عہد کے لیے ہے اور ایسے سرمایہ دار بھی موجود ہیں جو اس طرح کے نظام پر عمل کریں لہٰذا ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہمارے علماء اور سکالرز یہ عہد کر کے بیٹھیں کہ ہم نے یہودیوں کے نظام سرمایہ داری کے 'سودی بنکنگ' نظام کی پیروی نہیں کرنی بلکہ نئی بنیادوں پر ایک نیا ادارہ بنانا ہے اور یہ بنیادیں اسلامی ہوں گی تو ایسا ادارہ بن جائے گا اور ان شاء اللہ چل جائے گا۔ اصل چیز یہ ہے کہ مغرب کی

ذہنی غلامی سے نکلا جائے، اس کے نظام کو رد کردیا جائے اور اس کے نظام کے ساتھ مفاہمت (Reconciliation) اور ایڈجسٹمنٹ کی پالیسی اختیار نہ کی جائے بلکہ اپنی فکر کے مطابق اپنے نئے ادارے بنائے جائیں اور یہ بالکل ممکن ہے۔

اخلاق ومعاشرت

محلے کی سطح پر بننے والی مذکورہ کمیٹیاں اخلاقی اصلاح اور مقامی معاشرتی مسائل کے حل میں اہم کردار ادا کرسکتی ہیں اور زندگی کو خوشگوار، مشقت سے پاک اور مطابق شریعت بنانے میں ٹھوس کردار ادا کرسکتی ہیں مثلاً:

- گلیوں میں روشنی کا انتظام
- گلیوں میں پانی کھڑا نہ ہو، گٹر بند نہ ہوں
- موزوں سکولوں، کالجوں میں داخلے کے سلسلے میں مشاورت اور مدد
- محلے میں اگر گورنمنٹ یا پرائیویٹ سکول یا دینی مدرسہ ہوتو اس سے رابطہ اور اسے تعلیمی اور اخلاقی لحاظ سے مؤثر اور کامیاب بنانا۔
- افرادمحلہ کی غم وخوشی کی تقریبات میں باہم شرکت وتعاون سے ہمسایوں کے حقوق کی ادائی اور معاشرتی اخوت و بھائی چارے کا فروغ
- گلیوں کی نکڑوں اور پارکوں میں نوجوانوں کے جمع ہونے پر اوران کی غیرتعمیری سرگرمیوں پر نظر رکھنا
- محلے میں اگر نیٹ کیفے، وڈیوشاپ یا ریسٹورنٹ ہوں تو ان پر نظر رکھنا کہ وہ مفسد اخلاق سرگرمیوں کے مرکز نہ بنیں

- بچوں اورنوجوانوں کے لیے تعمیری سرگرمیوں کا فروغ مثلاً کھیلوں کو منظم کرنا، لائبریریاں اور سٹڈی سرکل قائم کرنا، انہیں تعمیری اور اسلامی فلمیں دکھانا، ترجمہ قرآن کے حلقے قائم کرنا، بچوں کے قرآن پڑھنے کا انتظام کرنا، خواتین اور بچیوں کے لیے دینی سرگرمیاں منظم کرنا (کیونکہ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں ان کے مسجدوں سے استفادے کا رجحان موجود نہیں)، بے نمازیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی ترغیب دینا، ایک دوسرے کے گھروں میں افطاریاں رکھ کر باہم تعلقات کوفروغ دینا،

تقریبات مثلاً عقیقہ، منگنی، شادی، عیدین اور قربانی وغیرہ کے مواقع پر اہل محلہ کو کھانا، گوشت یا مٹھائی بھجوانا (شہروں میں اس کا رواج اب کم ہوتا جارہا ہے)۔

ہم نے بطور مثال بعض سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے اور شہری زندگی کو زیادہ سامنے رکھا ہے۔ ان میں حسب علاقہ وموقع وضرورت مزید سرگرمیوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

عدل وانصاف

۱۔ ہر گاؤں، قصبے اور شہر کے وارڈ یا حصے میں ایک شرعی عدالت یا مصالحتی عدالت بنائی جائے جس میں مقامی عالم دین، ریٹائرڈ جج اور غیر جانبدار وانصاف پسند اشخاص شامل ہوں۔ اس طرح کی عدالتیں رفع نزاعات میں اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔ اس سے عوام کو سستا، فوری اور مطابق شریعت انصاف ملے گا اور عدالتوں پر بوجھ کم ہوگا۔

۲۔ پرائیویٹ سیکٹر میں ایسے کالج قائم کیے جائیں جن میں عصری قانون کے ساتھ اسلامی قانون اور عربی زبان کے ٹھوس مطالعے، تدریس اور تربیت کا انتظام ہو تا کہ ایسے مفتی، وکیل اور جج معاشرے کو میسر آسکیں جو اسلامی اور عصری دونوں طرح کے قوانین کے ماہر ہوں اور شریعت کے مطابق فیصلے کرسکیں۔ یہ کالج موجودہ وکلاء، ججوں اور علماء کرام کی تربیت کا کام بھی کرسکتا ہے۔

امن وامان

حاصلِ تعلیم

پاکستان میں جو بچے فرسٹ ڈویژن لیتے ہیں وہ عموماً ٹیکنیکل شعبوں میں جاتے ہیں اور ڈاکٹر انجنیئر وغیرہ بنتے ہیں۔ جو بچے سیکنڈ ڈویژن لیتے ہیں وہ عموماً سی ایس ایس وغیرہ کرکے انتظامی شعبے میں چلے جاتے ہیں اور فرسٹ ڈویژن والوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ جو بچے تھرڈ ڈویژن لیتے ہیں وہ عموماً سیاست دان بن کر وزیر لگ جاتے ہیں اور فرسٹ اور سیکنڈ ڈویژن والوں (دونوں) کو کنٹرول کرتے ہیں۔ فیل ہونے والے عموماً انڈر ورلڈ مافیا میں چلے جاتے ہیں اور فرسٹ ڈویژن، سیکنڈ ڈویژن اور تھرڈ ڈویژن والوں (سب کو) کنٹرول کرتے ہیں۔

محلے کی سطح پر جس کمیٹی کا ذکر ہوا، اسے مقامی امن و امان کی ذمہ داری بھی سونپی جاسکتی ہے اور یہ آسانی سے رضا کارانہ بنیادوں پر ہر گلی میں یہ انتظام کرسکتی ہے کہ ساری رات نوجوان باری باری پہرہ دیں۔ اس سے چوری چکاری خود بخود بند ہوجائے گی۔ رفع نزاعات کا سادہ اور سریع نظام بھی، جو سطور بالا میں تجویز کیا گیا ہے، امن و امان کی حالت بہتر بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔

صحت

ہمارے معاشرے میں شہروں میں ایلو پیتھ ڈاکٹر، طبیب اور ہومیو پیتھ کافی تعداد میں موجود تو ہیں لیکن عوام معاشی طور پر بدحال ہیں، انگریزی علاج اور ادویات مہنگی ہیں اور حکومت مغربی تہذیب کے زیر اثر ایلو پیتھ طریق علاج کی ہی زیادہ سرپرستی کرتی ہے۔ مذکورہ محلہ کمیٹی وسائل جمع کر کے محلے میں ہومیو پیتھک ،طبی یا ایلو پیتھک سستی ڈسپنسری قائم کرسکتی ہے یا قرب و جوار کی کئی کمیٹیاں مل کر ایسا کرسکتی ہیں۔ اسی طرح گاؤں کے لوگ منظم ہوکر سستی ڈسپنسری کا انتظام کرسکتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد امین

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی

اسباب و عوامل

آج مسلم معاشرے میں جو کچھ ہورہا ہے اگرچہ اس کے ذمہ دار بنیادی طور پر ہم خود ہی ہیں کہ یہ ہمارا معاشرہ ہے اور اسے بگاڑنے یا سنوارنے والے کام ہم ہی کررہے ہیں اور اگر معاشرے کا کوئی خاص حصہ یا طبقہ اس کے بگاڑ میں ملوث ہے تو وہ بھی ایک لحاظ سے پورے معاشرے ہی کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ایسا فاسد حصہ اس کا جزو ہے اور وہ اس کا علاج نہیں کرسکا۔ یوں معاشرے کے بگاڑ کی ذمہ داری، داخلی لحاظ سے، ہم مسلمانوں کی اور افراد معاشرہ ہی کی ہے لیکن بسا اوقات خارجی عوامل اِن داخلی عوامل کو اس طرح کنٹرول اور مہمیز کرتے ہیں کہ وہ داخلی عوامل پر بھی غالب آجاتے ہیں یا بگاڑ میں ان کا حصہ داخلی عوامل سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ ایسے حالات میں اقبال کی طرح یہ کہنا صحیح نہیں ہوتا کہ ؎

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تُو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

بلکہ صحیح مؤقف یہ ہے کہ ہمیں اپنوں سے بھی گلہ ہے کہ وہ یورپ وامریکہ کی غلامی پہ کیوں رضامند ہوگئے ہیں اور یورپ وامریکہ سے بھی گلہ ہے کہ انہوں نے ہمیں غلام بنانے کے لیے سازشیں اور منصوبہ بندی کی اور اس کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ اختیار کیا اور ہر ظلم و جبر روا رکھا اور آج بھی وہ ہمیں غلام بنائے رکھنے کے لیے ترغیب وترہیب کا ہر ہتھکنڈا استعمال کررہے ہیں۔ بلکہ وہ تو اتنے ظالم ہیں کہ مارتے ہیں اور رونے بھی نہیں دیتے چنانچہ انہوں نے اپنی طاقتور ابلاغی قوت اور پروپیگنڈا مشینری کے ذریعے اپنی سازشوں کے ذکر کو اس طرح ہلکا، سطحی اور مضحکہ خیز بنا کر پیش کیا ہے کہ اب آپ اس حوالے سے بات کریں،خواہ وہ کتنی ہی صحیح ، مدلل اور باوزن ہو، تو اسے نظریۂ سازش(Conspiracy Theory) کہہ کر حقارت سے رد کردیا جائے گا گویا کہ علم وتحقیق کی دنیا میں اس کا کوئی وزن ہی نہیں ہے۔ہم استعمار کی اس سازش کو سمجھتے ہیں لہٰذا ہمارا رویہ یہ ہے کہ بلاشبہ ہم اپنی کمزوریوں ، خامیوں اور اپنے بُرے کاموں کے خود ہی ذمہ دار ہیں اور ہمارے کچھ عناصر اگر اغیار کے ہاتھوں میں کھیلتے ہیں اور میر جعفر وصادق کا کردار ادا کرتے ہیں یا شعوری و لاشعوری طور پر ان سے مرعوب ومتاثر ہوکر اپنے رویوں کا تعین کرتے ہیں تو بلاشبہ یہ ہماری غلطی ہے، ہم بحیثیت ملت ومعاشرہ اس کے ذمہ دار ہیں اور ہمیں ہی اس کا تدارک کرنا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان دشمنوں کو نظر انداز کردیں جو ہم سے یہ سب کرانے کے لیے سازشیں اور منصوبہ بندی کررہے ہیں اور اپنی دشمنی کو دوستی کا لبادہ پہنا کر ہمارے پہلو میں خنجر گھونپ رہے ہیں اور مختلف الزام تراش کر حیلے بہانے ہمیں نیست و نابود کررہے ہیں — آخر کیوں نہ ہم ان کی چالوں کو سمجھیں اور ان کا توڑ کریں؟

اس اصولی گفتگو اور اپنے منہج کے تعین کے بعد اب آیئے پاکستان میں مذہبی انتہاپسندی اور دہشت گردی کے معاملے کی طرف ۔ بلاشبہ یہ انتہا پسندی موجود ہے اور اس کے عوامل داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی۔ لیکن ہماری رائے میں خارجی عوامل اس وقت اتنے طاقتور ہیں کہ داخلی عوامل کو

کنٹرول اور مہمیز بھی وہی کر رہے ہیں۔ اس لیے پہلے ہم خارجی عوامل کا ذکر کریں گے اور ان کے بعد داخلی عوامل کی طرف آئیں گے۔

خارجی عوامل

خارجی عوامل میں سب سے بڑا عامل امریکہ و یورپ کی اسلام و مسلم دشمنی ہے۔ اہل مغرب ترغیب کے ہر پُرامن ذریعے سے اور اس میں ناکام ہونے پر اپنی عظیم جنگی قوت کے زور پر اسلام کا راستہ روکنا اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں بلکہ کر رہے ہیں اور جو مسلمان ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اپنی بھرپور ابلاغی قوت اور میڈیا مشینری سے وہ اسے انتہا پسند اور دہشت گرد قرار دے دیتے ہیں۔ یہ موضوع چونکہ بہت وسیع الاطراف ہے اس لیے ہم نکات وار اس کی تفصیل بیان کریں گے:

مسلم انتہا پسندی اور دہشت گردی کا پروپیگنڈا

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی اصلاً تھوڑی ہے لیکن امریکہ و یورپ اسے قصداً، ایک حکمت عملی کے تحت اور اپنے مذموم مقاصد کی خاطر بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ گویا انتہا پسندی اتنی ہے نہیں جتنا اس کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اور جیسا کہ ہم نے کہا ایسا قصداً اور اپنے مذموم مقاصد کی برآری کے لیے کیا جا رہا ہے۔ ایک امریکی اگر اپنے ہم وطنوں کو مار دے تو مغربی میڈیا اسے عیسائی انتہا پسندی اور دہشت گردی نہیں کہتا۔ ہندوستان میں ہندو انتہا پسندی اور دہشت گردی زوروں پر ہے لیکن اسے اچھالا نہیں جاتا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان کچھ کر بیٹھے تو آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے کہ دیکھیے ہم نہ کہتے تھے کہ مسلمان ہوتے ہی انتہا پسند اور دہشت گرد ہیں بلکہ اگر وہ کچھ نہ بھی کریں تو ان پر دہشت گردی کی پلاننگ کا الزام لگا کر انہیں پکڑ لیا جاتا ہے اور ان کی دہشت گردی کا خوب پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ ایسے واقعات بھی سامنے آ چکے ہیں کہ مغربی خفیہ ایجنسیاں اپنے مقامی ایجنٹوں کے ذریعے مسلمانوں کے ہمدرد بن کر انہیں فریب دیتی اور ورغلاتی ہیں، پھر انہیں پھنسا لینے کے بعد مسلمانوں کے خلاف

دہشت گردی کا زبردست پروپیگنڈا کرتی ہیں اورانہیں بطور ثبوت پیش کرتی ہیں۔

ایک امریکی پادری نے حال ہی میں علی الاعلان قرآن جلا کر پونے دو ارب مسلمانوں کے دل زخمی کردیے ہیں۔ پیغمبر اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی جاتی ہے اور ان کے کارٹون بنائے جاتے ہیں۔ مسلمان عورتوں کو حجاب پہننے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ مسجدوں کے مینار بنانے پر پابندی لگا دی جاتی ہے اور مزید یہ کہ مغرب میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے، مقامی لوگ ان کے ساتھ نفرت وحقارت کا سلوک کرتے ہیں، ان پر آواز کسے جاتے ہیں، مسجدوں میں سور کے سر پھینکے جاتے ہیں، تعلیم اور ملازمت میں ان کے ساتھ جانبداری برتی جاتی ہے لیکن یہ سب کچھ کرنے والوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد نہیں کہا جاتا۔ ان پر عدم برداشت کا الزام نہیں لگتا۔

امریکہ نے ایک جھوٹے الزام پر عراق کو تباہ کردیا، افغانستان کا تورا بورا بنا دیا، لاکھوں مسلمان قتل کردیے گئے، لاکھوں گھر جلادیے گئے، ہزاروں مسلمان عورتوں کی عصمت لوٹی گئی لیکن یہ انتہا پسندی ہے نہ دہشت گردی۔ اس کے برعکس مسلمان اگر کسی کو چھری بھی ماردے تو یہ دہشت گردی ہے۔ اگر وہ اپنی سادہ لوحی میں ڈرون حملوں اور ڈیزی کٹر بمبوں کا مقابلہ کرنے کے لیے درے کی بنی ہوئی کلاشنکوف لے کر کھڑا ہو جائے تو یہ بھی دہشت گردی ہے۔

مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کے کئی مذموم مقاصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسلام اور مسلمانوں کو دنیا بھر میں بدنام کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کی توجہ ان (اہل مغرب) کی اپنی دہشت گردی سے ہٹا دی جائے۔ تیسرے یہ کہ مغرب میں اسلام جو تیزی سے پھیل رہا ہے اسے بریکیں لگائی جائیں۔ چوتھے یہ کہ دہشت گردی کے پروپیگنڈے کی آڑ میں (پاکستان جیسے) مسلمان ملکوں کی قیادت کو دباؤ میں رکھا جائے۔ پانچویں یہ کہ وہاں مداخلت کا بہانہ ہاتھ آجائے چنانچہ پاکستان میں اسی بہانے سے ڈرون حملے ہو رہے ہیں اور نظر پاکستان کے ایٹمی اثاثوں پر ہے—— عراق اور افغانستان پر اسی بہانے چڑھائی کی گئی۔ چھٹے یہ کہ جن مظلوموں پر اہل مغرب حملہ آور ہوں انہیں دفاع کے جائز حق سے بھی محروم کردیا جائے۔ ظاہر ہے دہشت گردوں کو مارنا تو

ثواب کا کام ہے، وہ تو مجرم ہیں انہیں دفاع کا حق کیسے دیا جا سکتا ہے؟ تو خلاصہ یہ کہ مسلم معاشرے میں اتنی دہشت گردی اصلاً ہے نہیں جتنی بڑھا چڑھا کر پیش کی جاتی ہے اور جتنی ہے اس کے فروغ میں بھی بنیادی کردار امریکہ و یورپ ہی ادا کر رہا ہے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی

پاکستان کے قبائلی علاقوں میں رہنے والے پٹھان بھائی یہاں صدیوں سے ہمارے ہمسائے ہیں۔ اہل پاکستان نے ان میں کبھی مذہبی انتہا پسندی کی رمق نہیں دیکھی۔ یہ لوگ سردیوں میں ہینگ، پھٹکری اور کپڑا بیچنے پنجاب کے میدانی علاقوں میں آتے تھے اور گرمیوں میں واپس چلے جاتے تھے۔ روس نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے افغانستان پر حملہ کیا تو انہوں نے اپنے افغان بھائیوں کا ساتھ دیا جن کے ساتھ ان کے مذہبی، نسلی اور خاندانی روابط تھے بلکہ کہنا چاہیے کہ یہ علاقہ افغانستان ہی کی ایک پٹی یا توسیع (Extention) ہے اور یہ لوگ مذہب، نسل، رنگ، زبان، علاقہ اور کلچر ہر لحاظ سے ایک ہی گروہ ہیں۔ قبائلی علاقوں اور پاکستان نے جب افغانیوں کا ساتھ دیا تو امریکہ ان کا حمایتی تھا۔ اب جب امریکہ نے اپنے مفادات کے لیے افغانستان پر حملہ کیا تو بھی قبائلیوں نے حسب روایت اپنے افغان بھائیوں کا ساتھ دیا۔ پاکستان کے غدار حکمران پرویز مشرف نے اپنے اقتدار اور ڈالروں کی خاطر ملک اور اس کے مفادات کا سودا امریکہ سے کر لیا لیکن قبائلی یہ نہ کر سکے نتیجتاً امریکہ ان کے خلاف ہو گیا اور ان پر حملے شروع کر دیے اور پاکستانی فوج سے بھی ان پر حملے شروع کرا دیے۔ ظاہر ہے قبائلی کب تک صبر کرتے! بالآخر ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ اپنی بقاء کے لیے حملہ آور کفار اور ان کے حلیفوں کے خلاف گوریلا جنگ لڑتے۔

پاکستان کی مغربی سرحد پر بسنے والے یہ قبائلی جن کے خلاف مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی کا زبردست پروپیگنڈا یہودیوں کے زیر کنٹرول عظیم امریکی میڈیا مشینری کی سربراہی میں ساری دنیا میں جاری و ساری ہے (اس میں اہم کردار زرخرید پاکستانی میڈیا کا بھی ہے)۔ ان کے خلاف امریکہ و یورپ کی جنگی حکمت عملی اتنی وسیع الاطراف اور پیچیدہ ہے کہ بہت باریک بینی اور توجہ کے بغیر

سمجھ نہیں آتی۔ یہاں ہم اس کے بعض اہم پہلوؤں کی تفہیم کی کوشش کریں گے۔

امریکہ نے اپنے یورپی حلیفوں کو ساتھ ملا کر جب افغانستان پر حملہ کیا (ویسے ان ممالک کے آپس میں لاکھ اختلافات ہوں لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وتعصب کی مشترکہ اساس رکھنے کی وجہ سے اہم یورپی ممالک، خصوصاً برطانیہ، فرانس اور جرمنی ہر اُس معاملے میں امریکہ کی حمایت کرنے پر بخوشی آمادہ ہوجاتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہو) اور اس پر قبضہ کرلیا تو ان قبائل کو طالبان کی مدد سے روکنے اور پاکستان کے خلاف خفیہ اقدامات کرنے کے لیے اس نے پاکستان کے دشمن بھارت کو بھی اپنے ساتھ ملالیا جبکہ افغانستان تو اس کی جیب میں تھا ہی۔ ساتھ ہی اسرائیل اور روس کی عملی حمایت بھی اسے مل گئی جو پاکستان کے خلاف اپنا اپنا بغض اور دکھ رکھتے تھے۔ چنانچہ ان ممالک کی خفیہ ایجنسیوں نے مل کر قبائلی علاقوں میں دراندازبھجوانے شروع کردیے جنہوں نے پاکستانی فوج اور تنصیبات پر حملے شروع کردیے۔ یہی درانداز مقامی مزاحمت کاروں کا حصہ بن گئے اور ان کی تنظیموں میں گھس گئے اور افغانوں اور ازبکوں کے لیے نسل، رنگ اور زبان کی ہم آہنگی کی وجہ سے یہ زیادہ مشکل ثابت نہ ہوا۔ اس طریقے سے امریکہ نے مزاحمت کاروں کو اسلحہ اور ڈالر مہیا کرنے شروع کردیے اور کچھ وار لارڈز کو بھی اس نے ڈالروں کی چمک سے خریدلیا۔

یوں امریکہ نے یہاں کثیر الجہت گیم شروع کررکھی ہے۔ وہ خود بھی ڈرون حملوں سے قبائلیوں کو ماررہا ہے۔ پاکستانی فوج سے بھی انہیں مروارہا ہے۔ وہ اپنے دراندازوں کے ذریعے مزاحمت کاروں کو پاکستانی فوج سے لڑا رہا ہے اور ان سے پاکستان میں خودکش حملے کرا رہا ہے ہے اور بھارتیوں کو فاٹا اور بلوچستان میں گھس بیٹھنے کا موقع دے رہا ہے۔ساتھ ہی اس نے بلیک واٹر اور ایسی ہی دوسری امریکی ایجنسیوں کے کرائے کے فوجیوں کو سی آئی اے کی وساطت سے سفارت کاروں کے بھیس میں پاکستان میں داخل کررکھا ہے جو یہاں سبوتاژ کی کاروائیاں کرتے ہیں اور نام طالبان کا لگاتے ہیں۔ اس چومکھی جنگ سے وہ بیک وقت درج ذیل اہم مقاصد حاصل کررہا ہے:

۱۔ پاکستان میں سیاسی اور معاشی عدم استحکام پیدا کرنا

۲۔ پاکستان اور قبائلیوں میں نفرت اور دوری پیدا کرنا

۳۔ پاکستانی فوج کو مختلف محاذوں پر اور قبائلی عوام سے لڑا کر کمزور کرنا اور پاکستانی عوام میں اسے غیر مقبول بنانا

۴۔ پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں تک رسائی اور ان پر قبضہ

۵۔ پاکستان کے دشمن بھارت کو پاکستان کے خلاف کھل کھیلنے کا موقع دینا خصوصاً بلوچستان کی اہم جغرافیائی پوزیشن کے پیش نظر اسے پاکستان سے الگ کرانا۔

۶۔ پاکستانی حکمرانوں اور عوام میں بُعد اور دوری پیدا کرنا

ان غایات کی آخری غایت یہ ہے کہ پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا اور اب بھی اسلام کا علمبردار ہے، اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، اسے ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے اور اس کی ایٹمی صلاحیت ختم کردی جائے یا کم از کم اسے معاشی لحاظ سے مفلوج، سیاسی لحاظ سے کمزور، امریکہ کا غلام اور بھارت کا طفیلی بنادیا جائے (اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے بچائے)۔ اس غرض سے امریکہ اور اس کے یورپی حلیفوں کا پاکستان میں اپنی مرضی کے حکمران لانے اور ان کی مرضی پر نہ چلنے والوں کو ہٹانے اور سزا دینے کا ایک طویل ریکارڈ ہے۔ بھٹو کی پھانسی، جنرل ضیاء الحق کے جہاز کا حادثہ، نواز شریف کی اقتدار سے محرومی اور جلاوطنی، پرویز مشرف کا لایا جانا اور ڈالروں کے لیے امریکہ کی غلامی اور غیر مؤثر ہونے پر نکالا جانا؛ اور زرداری اور کیانی کی صورت میں تازہ دم تابعداروں کا لایا جانا۔۔۔ یہ سب اسی منصوبے کی کڑیاں ہیں۔

یہ تو تھی پاکستان کے حالات کی ایک تصویر۔ اگر اسے عالم اسلام کے تناظر میں دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طویل جنگ کا ایک تسلسل ہے۔ مغربی تہذیب کی اٹھان ہی پندرھویں صدی میں مسلمانوں کے ہاتھوں رومی سلطنت کے آخری حصار اور قسطنطنیہ کے عیسائی ہیڈکوارٹر کی فتح کے خلاف اہل مغرب کے انتقامی جذبے کا اظہار تھی جس کی ابتداء تحریک سأۃ ثانیہ سے ہوئی۔ پھر جوں جوں مغرب ترقی کرتا گیا، مسلمانوں کی

زندگی تنگ ہوتی گئی۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکی کی شکست کے بعد خلافت کا خاتمہ، ترکی اور ایران میں مغربی تہذیب اور قوانین کا ریاستی طاقت سے نفاذ۔۔۔ یہاں تک کہ سارا عالم اسلام غلام بنالیا گیا، ان کے وسائل لوٹے گئے، ان کا ریاستی اور معاشرتی ڈھانچہ توڑ دیا گیااور مغربی تہذیب کے اصولوں پر ان کی تعمیر نو کی گئی خصوصاً ذہن سازی اور تشکیل شخصیت کرنے والے تعلیم و تربیت کے اداروں کی تاکہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں استعمار کی وفادار اور غلام ذہن رکھنے والی ہوں۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا، مسلمان مقدور بھر مزاحمت بھی کرتے رہے اور بالآخر مشیت کا کوڑا حرکت میں آیا۔ کفار باہم دست وگریباں ہوئے اور دوسری جنگ عظیم کے بعد اہل یورپ اس قابل ہی نہ رہے کہ مسلمان ممالک کو غلام رکھ سکیں چنانچہ مجبوراً انہیں آزادی دینا پڑی۔

لیکن 'چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے' کی مثل کے مطابق استعمار مسلم ممالک کو براہ راست اورزبردستی غلام نہ رکھ سکا تو اس نے بھیس بدل لیا۔ اس نے نوزائندہ مسلم ممالک میں اقتدار اِن طبقوں کے سپرد کیا جو اس کے پروردہ تھے یعنی بیوروکریٹ، جاگیردار، سرمایہ دار اور ان کے تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل حضرات جو اس کی تہذیب سے مرعوب اور اس کے طرز زندگی کے شائق تھے۔ امریکہ و یورپ نے امداد اور قرضوں کے نام پر مسلمان ممالک کی معیشت تباہ کی۔ تعلیم اور میڈیا کو اپنے قابو میں کرکے نوجوانوں نسلوں کے قلوب و اذہان میں اباحیت اور مادر پدر آزادی کا زہر پھیلایا، دینی قوتوں کو سیاست میں کامیاب نہ ہونے دیا اور انہیں سازشوں سے آپس میں لڑایا۔۔۔غرض انہوں نے پوری کوشش کی کہ مسلم معاشرے کمزور اور ناتواں رہیں اور اسلام سے وابستگی اختیار نہ کریں لیکن یہ پوری طرح ممکن نہ ہوا اور کچھ مسلمان ممالک سر اٹھانے کے قابل ہو گئے مثلاً پاکستان نے ایٹم بم بنالیا، افغانستان میں ٹھیٹھ اسلامی نظام آ گیا، عراق نے قوت پکڑ لی اور ایران میں اسلامی انقلاب آیا تو اس صورت حال پر عالم کفر کے سردار امریکہ اور اس کے یورپی حلیفوں کی

☆ خود یورپ وامریکہ میں بہت سے محققین، صحافیوں اور دانشوروں نے ثابت کیا ہے اور اس پر بہت سا لٹریچر شائع کیا ہے اور انٹرنیٹ پر بھی کافی مواد موجود ہے کہ نائن الیون (۹/۱۱) کا واقعہ سی آئی اے اور موساد کی پلاننگ کا نتیجہ تھا۔

قوت برداشت ختم ہوگئی اور قدیم مغربی استعمار نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت، دشمنی اور تعصب کو منافقت، دوڑخے پن اور ڈپلومیسی کے جس نقاب میں چھپا رکھا تھا، اسے نبھانا اس کے لیے مشکل ہوگیا اور اس نے نائن الیون (۹/۱۱) کا ڈرامہ اسٹیج کیا تاکہ مسلم ممالک پر حملوں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دیگر اقدامات کا جواز مہیا ہوجائے۔☆ اس نے پہلے عراق اور پھر افغانستان کو تاراج کیا اور ان پر قبضہ جمایا۔ آج کل پاکستان اور لیبیا کے خلاف جنگ جاری ہے اور ایران کے گرد گھیرا تنگ کیا جارہا ہے۔

ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ کمیونزم کی شکست اور روسی بلاک کے ٹوٹ جانے کے بعد امریکہ اور یورپ کو ایک عدد دشمن کی ضرورت تھی۔ وہ پریشان تھے کہ نیٹو جتنا بڑا ادارہ آخر کیا کرے گا اور اتنی بڑی جنگی مشینری اور مغرب کی حربی صنعت کو مصروف کیسے رکھا جائے گا؟ چنانچہ اگر کوئی دشمن نہیں تھا تو بھی ایک دشمن کی اختراع امریکہ و یورپ کی نفسیاتی اور حربی ضرورت تھی چنانچہ تہذیبی کشمکش (Clash of Civilizations) کی تھیوری زور شور سے پیش کی گئی اور اسلام اور مسلمانوں کی صورت میں ایک دشمن آخرکار تخلیق کرلیا گیا۔ چنانچہ اب وہ مسلمانوں سے لڑ رہے ہیں حالانکہ مسلمان ان کے کمزور حریف ہیں۔ وہ نہ ان سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ ان سے لڑنے کی سکت رکھتے ہیں۔

اِن حالات میں جو مسلمان حکومتیں پوری طرح ان کے قابو نہیں آئیں ان کے خلاف پروپیگنڈا اور سازشیں اور جو مسلمان تنظیمیں ان کی مسلح مزاحمت کرتی ہیں ان کو مذہبی انتہا پسند اور دہشت گرد کہنا امریکہ اور اس کے یورپی حلیفوں کی پروپیگنڈا تکنیک ہے اور ان کے پاس اتنی بڑی میڈیا مشینری ہے کہ وہ سفید کو سیاہ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرسکتی ہے۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ ان کی مزاحمت میں کوئی آواز نہ اٹھے، کوئی کھڑا نہ ہو اور جو اس کی جرأت کرے اسے مذہبی انتہا پسند اور دہشت گرد قرار دے کر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

ہم اگر اس بحث کو سمیٹیں تو کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان میں اس وقت جو دہشت گردی ہورہی ہے، خودکش حملے ہورہے ہیں اور پاکستانی فوج و بیوروکریسی کی تنصیبات اور مسجدوں، مزاروں، سکولوں اور بازاروں میں جو حملے ہورہے ہیں ان کا سب سے بڑا سبب افغانستان میں امریکی مداخلت اور

پاکستان کے خلاف امریکی عزائم اور سازشیں ہیں۔قبائلی جو کچھ کررہے ہیں وہ محض امریکہ اوراس کے حلیفوں کے ایکشن کے خلاف ری ایکشن ہے اور فطری اور منطقی بات ہے کہ بنیادی ذمہ داری عمل کرنے والے پر عائد ہوتی ہے نہ کہ ردعمل ظاہر کرنے والے پر۔ اور اس کا علاج بھی سادہ اور سہل ہے کہ جب عمل ختم ہوگا تو ردعمل بھی ختم ہوجائے گا۔لہٰذا اگر پاکستان میں امن وسکون مطلوب ہے اور انتہاپسندی اور دہشت گردی کوختم کرنا مطلوب ہےتو اس کا بنیادی حل یہ ہے کہ امریکہ افغانستان اور پاکستان میں اپنی جارحیت ختم کرے اور یہاں سے نکل جائے، ان شاء اللہ یہاں سکون ہوجائے گا، اور اگر یہاں بےچینی کے دیگر عوامل ہوں گےتو پاکستانی حکومت اور معاشرہ ان سے نمٹ لے گا۔

خلاصہ یہ کہ پاکستان میں انتہاپسندی اور دہشت گردی کا بنیادی سبب امریکہ اور اس کے حلیف ہیں اور جولوگ اپنے دین اور وطن کی خاطر ان کی مزاحمت کررہے ہیں اس کا حق انہیں شریعت اسلامی بھی دیتی ہے اوراقوام متحدہ کا چارٹر بھی، بلکہ دنیا کا ہر قانون آزادی،حق خودارادیت اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے لہٰذا امریکہ اور اس کے حلیفوں کے خلاف مزاحمت کو مذہبی انتہاپسندی اور دہشت گردی نہیں کہا جا سکتا اور فرض کیجیے کہ یہ انتہاپسندی اور دہشت گردی ہے بھی تو اس کے ذمہ دار امریکہ اوراس کے حلیف ہیں اوراس انتہاپسندی و دہشت گردی کے خاتمے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ امریکہ افغانستان اور پاکستان سے نکل جائے یہ'انتہاپسندی' اور'دہشت گردی' خودبخود ختم ہوجائے گی اوراگر امریکہ یہاں سے نہ نکلا اوراس نے یہ جنگ پاکستان تک مزید پھیلادی تو پاکستانی قوم بھی ان کے خلاف، ان شاء اللہ، ایسے ہی لڑے گی جیسے افغانی اور قبائلی لڑ رہے ہیں (خواہ ان کی حکومت اورفوج نہ بھی لڑے)اور یوں یہ'انتہاپسندی' اور'دہشت گردی'مزید بڑھے گی کم یا ختم نہیں ہوگی (جاری ہے)۔

دینی تعلیم ڈاکٹر محمد امین

دینی مدارس کے لیے لمحۂ فکریہ

علماء کرام کی خدمت میں چند دردمندانہ گزارشات

دینی مدارس کے بارے میں بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ اسلام کے قلعے ہیں اور معاشرے میں جتنی دینی رونق نظر آتی ہے اس میں زیادہ تر کردار دینی مدارس ہی کا ہے۔ ہم بھی دینی مدارس کے حامی اور مدح خواں ہیں اور ان سے بہت سی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے دینی مدارس کے نظام کو مزید مؤثر اور خوب تر بنانے کے لیے بعض مشورے اور گزارشات ہم دینی مدارس کی بالغ نظر قیادت اور ان کے اصحابِ فکر ونظر کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔

آج کی نشست میں ہم دینی مدارس کی قیادت کے سامنے دو امور استفسار کی صورت میں رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک داخلی حوالے سے کہ کیا آج کے دینی مدارس نموٴ ایمان اور اعلائے کلمۃ اللہ کے حوالے سے وہ فرد پیدا کر رہے ہیں جیسا فرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم وتزکیہ سے پیدا کیا تھا؟ اور دوسرا استفسار خارجی حوالے سے کہ کیا ہمارے دینی مدارس آج کے سب سے بڑے عملی اور تہذیبی فتنے (یعنی مغربی فکر وتہذیب) کے رد کے لیے اسی طرح کوششیں کر رہے ہیں جیسی ہمارے اسلاف نے صدرِ اوّل میں یونانی فکر کے فتنے کے رد کے لیے کی تھیں؟

داخلی چیلنج

اعلائے کلمۃ اللہ (جسے آج کل کی اصطلاح میں غلبۂ دین یا 'اسلامی نشأۃ ثانیہ' بھی کہا جاسکتا ہے) کے حوالے سے سوچتے ہوئے پہلی بات جو ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے علماء کرام اسلامی معاشرے کو زوال پذیر ہونے سے کیوں نہ روک سکے؟ ظاہر ہے پہلے ہم اس سوال کا جواب دیں گے تو پھر ہی یہ طے کرسکیں گے کہ اعلائے کلمۃ اللہ یا اسلامی نشأۃ ثانیہ کے لیے آج دینی مدارس کا کردار کیا ہونا چاہیے اور کیا ہوسکتا ہے؟ اگرچہ ہمارے ہاں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جن کے نزدیک خود علماء کا فکری جمود اور مدارس کا ناقص نظامِ تعلیم وتربیت ہی مسلمانوں کے زوال کا ایک بڑا سبب ہے اور وہی اسلامی نشأۃ ثانیہ کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بھی ہیں۔ تاہم اس انتہا پسندانہ نقطۂ نظر کو اگر ہم تسلیم نہ بھی کریں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ کوئی تہذیب اور معاشرہ جب زوال پذیر ہوتا ہے تو اس کے سارے ادارے ہی دیمک زدہ ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا کسی ایک ادارے یا عنصر کو اجتماعی زوال کا ذمہ دار قرار دینا قرین انصاف نہیں ہوسکتا۔ بایں ہمہ اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ کسی معاشرے کے عروج و زوال میں اہم ترین کردار اس کی سیاسی و مذہبی قیادت کا ہوتا ہے۔ سیاسی قیادت کے کردار کا اہم ترین ہونا ظاہر و باہر ہے، تاہم اس وقت وہ زیر بحث نہیں اور دینی قیادت کے حوالے

سے ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ یہ قیادت اسلامی معاشرے کو زوال پذیر ہونے سے کیوں نہ بچا سکی؟ خصوصاً اس حوالے سے کہ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت شروع ہی سے علماء کرام کے ہاتھ میں رہا ہے۔

یہاں ایک بات کی ہم ابتداء ہی میں وضاحت کر دیں کہ اعلائے کلمۃ اللہ یا اسلامی نشأۃ ثانیہ کے الفاظ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم آج کل کے ماحول کے مطابق سیاسی جدوجہد کی بات کر رہے ہیں۔ نہیں، بلکہ ہم اس فرد کی تیاری کی بات کر رہے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی تعلیم و تزکیہ کے نتیجے میں تیار ہوا تھا اور اسلام کے ہمہ جہتی غلبے کا بنیادی سبب بنا تھا۔

مسلمانوں کے زوال کے اسباب کی کنہ تلاش کرنے کا ایک منطقی اسلوب یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ صدرِ اوّل میں جب اسلام پھیلا اور اس زمانے کی غالب و طاقتور رومی و ایرانی تہذیبیں اس کے سامنے ڈھیر ہوگئیں اور مسلمانوں کو ہمہ جہتی عروج حاصل ہوگیا تو اس کے وسائل ذرائع کیا تھے؟ ان وسائل و ذرائع کا جب ہم تعین کر لیں گے تو ہمارے لیے اس نتیجے پر پہنچنا آسان ہوجائے گا کہ جب یہ وسائل و ذرائع کل اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلامی عروج کا سبب بنے تھے تو آج ان کا فقدان ہی سببِ زوال ونکبت ہے کیونکہ چیزیں اپنے اضداد ہی سے پہچانی جاتی ہیں۔

صدرِ اوّل میں اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے غلبے اور عروج کا سبب ہمارے نزدیک یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے وحیٔ ربّانی کی رہنمائی میں مسلمانوں کی ایسی تعلیم و تربیت کی اور ''**یعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم**'' کے اصول پر ایسے افراد تیار کر دیے اور ان کے اندر ایمان کی ایسی سپرٹ اور طاقت بھر دی کہ حصول رضائے الٰہی اور آخرت میں اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارنا اور اس کے لیے مال، وقت، صلاحیتوں اور جان کی قربانی دینا ان کے لیے آسان ہوگیا۔ مسلمانوں کا فکری سانچہ اور ان کا نظام حیات یہ تھا کہ اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے تاہم دنیا میں بھی اگر ایک فرد اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارے تو اس کا حتمی نتیجہ اطمینان قلب (**الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**) ہوگا اور اگر پورا معاشرہ (یا اس کی غالب ومؤثر تعداد) اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارے تو اس کا حتمی نتیجہ دنیا میں عزت و سرفرازی اور غلبہ وعروج ہوگا (''**وانتم الاعلون ان کنتم مومنین**'')۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلم معاشرے کو غلبہ وعروج دینے کی جو گارنٹی دی ہے اس کی کنہ پر اگر ہم

غور کریں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے اور یہاں جو معاشرہ بھی اسباب دنیا مہیا کرنے میں دوسروں سے بڑھ جائے گا، وہ دوسروں پر غالب آجائے گا۔ اور دنیا میں اسباب پیدا کرنے کی صلاحیت حاصل کرنے میں جو اصول سب اقوام کے لیے مشترک ہے وہ یہ ہے کہ جس نظریۂ حیات پر وہ یقین رکھتی ہے اس پر عمل کرنے میں اور اس کے لیے قربانی دینے میں وہ کتنی یکسو اور کمٹڈ ہے؟ کیونکہ یہی چیز اس کو وہ قوت محرکہ عطا کرتی ہے اور فرد کے اندر وہ صلاحیتیں ابھارتی ہے (جیسے محنت، پابندیٔ قانون، نظم و ضبط، منصوبہ بندی، اطاعتِ قیادت، اتحاد، شجاعت، ایثار و قربانی۔۔۔وغیرہ) جو افرادِ معاشرہ کو اسبابِ دنیا مہیا کرنے کی طاقت عطا کرتی ہیں۔ اس توجیہ اور نقطۂ نظر کی رو سے نبی کریم ﷺ کے تیار کیے ہوئے افراد کا ایمان اتنا قوی تھا اور اسلام کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کی کمٹمنٹ ان کے اندر عملاً اتنی شدید تھی کہ ان کے اندر وہ صلاحیتیں ایک منطقی نتیجے کے طور پر اتنی اعلیٰ درجے کی پیدا ہوگئیں جن سے وہ اسباب دنیا مہیا کرنے پر، دوسروں سے بہتر طور پر، قادر ہوگئے اور یوں وہ دنیاوی طاقت میں دوسروں سے آگے نکل گئے اور غلبہ وعروج ان کا حق اور مقدر ٹھہرا۔

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے بداہتاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صدرِ اوّل میں مسلمانوں کے غلبہ وعروج کا سبب وحیٔ ربانی کے مطابق نبی کریم ﷺ کا وہ طریق تعلیم وتزکیہ تھا جس نے ایسے افراد تیار کیے کہ جن کی قوت ایمانی نے ان کی عملی صلاحیتوں کو اس طرح جِلا بخشی کہ وہ اسبابِ دنیا مہیا کرنے پر دوسروں سے بہتر طور پر قادر ہوگئے —— اس کے باوجود کہ ان کی آخری غایت حصول رضائے الٰہی اور اخروی کامیابی تھی، محض دنیاوی ترقی نہ تھی، اور یہ کہ مسلمان اس لیے زوال پذیر ہوگئے کہ ان کا ایمان کمزور ہوگیا جس کے نتیجے میں ان کے اندر انفرادی اور اجتماعی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارنے کا داعیہ مضبوط نہ رہا اور اس کے لیے ایثار وقربانی کا جذبہ ماند پڑتا گیا۔ اس وجہ سے ان کے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہونا بند ہوگئیں جو انہیں اسبابِ دنیا کے حصول پر قادر بناتیں—— اور اس کی سب سے بڑی وجہ تھی نظام تعلیم وتزکیہ کا ناقص ہوجانا جس طرح کہ صدرِ اوّل میں ایمان اور جذبۂ عمل کی مضبوطی کا بڑا سبب تھا نظام تعلیم وتزکیہ کا درست اور صحیح ہونا۔ اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا نظام تعلیم وتزکیہ ہمیشہ علماء کرام کے ہاتھوں میں رہا ہے۔

گویا ہم غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کے زوال کا ایک بڑا سبب (دوسرے

کئی اسباب بھی ہیں جو اس وقت زیر بحث نہیں) ان کے نظام تعلیم و تزکیہ کا ناقص ہوجانا ہے جس کا سب سے بڑا مظہر اس کے پیدا کردہ افراد میں ایمان کی کمزوری اور اس کے نتیجے میں جذبۂ عمل میں کمی اور اس کمی کے نتیجے میں اسبابِ دنیا کے حصول کی صلاحیتوں کا کم ہوجانا ہے جس کا نتیجہ دنیاوی زوال ہے۔

اب مدارس چلانے والے علماء کرام اور صلحاء عظام کے سوچنے کا مقام یہ ہے کہ وہ انتہائی تعمق، معروضیت اور غیر جذباتی انداز میں اس امر پر غور فرمائیں اور تحقیق و تجزیہ سے کام لے کر یہ معلوم کریں کہ دینی مدارس کا نظام تعلیم و تزکیہ ایسے افراد کیوں پیدا نہیں کر رہا جو عہد نبوی اور خلافت راشدہ کا نظام پیدا کرتا تھا؟ دین کا طالب علم ہونے کے ناطے ہم بھی اس ضمن میں کچھ عرض کر سکتے ہیں لیکن ہماری خواہش ہے کہ مدارس کے علماء کرام اس موضوع پر تدبر فرمائیں اور اپنے نتائج فکر سامنے لائیں تاکہ صحیح سمت میں عمل کی راہ کھل سکے۔

اس موضوع کو سمیٹتے ہوئے ہم عرض کریں گے کہ ہمیں ان لوگوں کی رائے میں زیادہ وزن محسوس نہیں ہوتا جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب یہ ہے کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئے ہیں یا ان کے پاس دولت اور مادی وسائل کی کمی ہے۔ ہمیں اس مؤقف میں وزن اس لیے محسوس نہیں ہوتا کہ بحیثیت امت یہ ہمارے تجربے اور مشاہدے کے خلاف ہے۔ صدرِ اوّل میں مسلمانوں نے جب چند برسوں میں روم و ایران کی سلطنتوں کو الٹ دیا تھا تو وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں ان سے آگے نہ تھے اور نہ ان کے پاس مادی وسائل اور دولت ان سے زیادہ تھی۔ اسی طرح یہ ملاحظہ فرمایئے کہ آج مسلمان ذلیل و خوار ہیں حالانکہ ان کے پاس ایٹم بم اور میزائل موجود ہیں اور ہر طرح کی دولت اور مادی وسائل کی بھی کمی نہیں۔ لہٰذا اصل اہمیت فرد اور اس کے ایمان اور جذبۂ عمل کی ہے اور فرد کو بدلنا نظام تعلیم و تزکیہ کا کام ہے۔ یہ نظام ماضی میں علماء کرام کے ہاتھوں میں تھا اور آج بھی کسی حد تک ہے۔ اس لیے مدارس کے علماء کرام کے لیے یہ تدبر کا مقام ہے کہ وہ اس مسئلے پر غور فرمائیں اور کسی نتیجے پر پہنچ کر صحیح سمت میں عمل کی راہیں کشادہ فرمائیں۔

خارجی چیلنج

☆ کیوں ناکام ہوئے؟ یہ بھی سنجیدہ تدبر و تحقیق کا مقام ہے لیکن اگر ہم نے اس پر گفتگو شروع کر دی تو موضوعِ زیر بحث سے ہٹ جائیں گے لہٰذا فی الوقت اس سے صرفِ نظر کر کے آگے بڑھیے۔

سطور بالا میں ہم نے جس اہم مسئلے کی طرف دینی مدارس کو توجہ دلائی، اس کا تعلق ان کے نظام تعلیم کے داخلی پہلو سے تھا، اب ہم اہل مدارس کی توجہ ایک ایسے معاملے کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جس کی حیثیت ایک خارجی تحدی کی ہے اور اس کا انتہائی گہرا تعلق مدارس کے نظام تعلیم وتزکیہ سے ہے —— اور وہ ہے مغربی فکر وتہذیب۔ اہل علم جانتے ہیں کہ صدرِ اوّل میں جب مسلمانوں کا واسطہ یونانی فکر سے پڑا تو علمی لحاظ سے وہ ایک بڑا چیلنج تھا اور اس کے باوجود کہ اس وقت مسلم فکر وتہذیب اپنے جوبن پر تھی، اس کے گہرے اثرات مسلم علم وفکر اور مسلم نظام تعلیم وتزکیہ پر پڑے۔ بایں ہمہ امام اشعریؒ اور ماتریدیؒ نے متبادل فکر دے کر اور امام احمد بن حنبلؒ، امام غزالیؒ اور امام ابن تیمیہؒ جیسے بزرگوں نے یونانی فکر اور اعتزال کا رد کر کے اس فتنے کو بڑی حد تک غیر مؤثر کر دیا۔

جو حیثیت ماضی میں یونانی فکر وتہذیب کو حاصل تھی آج وہی حیثیت مغربی فکر وتہذیب کو حاصل ہے اور بدتر صورت یہ ہے کہ آج ہم ہر لحاظ سے کمزور و ناتواں ہیں، زوال کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں اور دنیا کی اس طاقتور اور غالب فکر کو رد کرنا اور اس کا مقابلہ کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے اور اس کے تہذیبی اثرات سے بچ نکلنا تو ہمارے لیے تقریباً ناممکن ہے۔ اب اس فتنے کے مقابلے میں ہمارے علماء کرام کے ردعمل کا ذرا جائزہ لیجیے۔ انہوں نے اس تہذیب کے سیاسی اور عسکری حملے کو روکنے کی کوشش کی لیکن بوجوہ ناکام رہے☆۔ نتیجتاً اس سے نفرت کرنے لگے اور اس سے آنکھیں بند کر لیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے انگریزی زبان پڑھنے اور مغربی علوم سیکھنے کی بھی مخالفت کی اور جدید دنیاوی و مغربی علوم سے عدم اعتناء کا یہ رویہ آج بھی جاری ہے۔ لیکن ظاہر ہے آنکھیں بند کرنے سے فکری طوفان ٹلا نہیں کرتے چنانچہ مغربی فکر وتہذیب کی فتوحات جاری ہیں۔ اہل مغرب نے استعماری دور میں مسلمانوں کے نظام تعلیم وتربیت کو اپنی مرضی کے مطابق بدل ڈالا اور مسلمانوں جیسا نام رکھنے والے اپنی فکر وتہذیب کے شیدائی پیدا کر لیے۔ مسلمان ملکوں کو (برائے نام) آزادی دیتے وقت اہل مغرب نے اپنے انہی شیدائی عناصر کو اقتدار بخشا اور مسلم معاشرے کو چلانے کا کام سونپا اور بعد میں بھی اپنی کوششوں اور سازشوں سے اس امر کو یقینی بنایا کہ انہی طبقوں کا اقتدار اور رسوخ مسلمان معاشرے میں قائم رہے۔ اس نظام کو شکست دینے کے لیے اہل دین نے جو سیاسی کوششیں کیں ان کو بھی مغربی

طاقتوں نے اپنے مقامی گماشتوں کی مدد سے کسی نہ کسی طرح ناکام بنادیا۔ اب علماء کرام بُرا نہ منائیں کہ بات اگرچہ تلخ ہے لیکن سچی ہے کہ وہ چند مدارس میں قال اللہ وقال الرسول کی مسند کے جزیرے جمائے بیٹھے ہیں جب کہ ساری خشکی وتری میں مغربی فکر وتہذیب کا طوطی بول رہا ہے اور معاشرے کے سارے شعبوں میں اسی کا غلبہ ہے۔

اہل مغرب کے اتباع میں قائم کردہ تعلیمی نظام سے لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان طلبہ ہر سال فارغ ہوکر نکل رہے ہیں جو معاشرے کو ہر سطح پر چلا رہے ہیں۔ نظام ان کے ہاتھ میں ہے، سیاست ان کے ہاتھ میں ہے، عدالتیں ان کی ہیں، کلچر ان کا ہے، میڈیا ان کا ہے۔۔۔غرض سب کچھ ان کے پاس ہے۔ مغربی فکر وتہذیب کی تجویز کردہ بلکہ طے کردہ بے دینی کی راہ پر اس بگٹٹ دوڑنے والے معاشرے پر علماء کرام کی کوششیں اگر کچھ بریکوں کا کام کرتی تھیں تو وہ بریکیں بھی اب ناکام ہوتی نظر آرہی ہیں لیکن ہمارے دینی مدارس اب بھی اصرار کرتے ہیں کہ انہیں صرف مسجدوں کے لیے خطیب اور مدرسوں کے لیے علماء ہی تیار کرنے ہیں اور وہ ایسے فضلاء تیار کرتے ہیں جن میں سے کسی کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد پتہ نہیں ہوتا کہ مغرب کی فکری بنیادیں کیا ہیں؟ اس کی تہذیبی اساس کیا ہے؟ اس کا فلسفہ کیا ہے؟ اس کے سماجی علوم کیا ہیں؟ اس کی سائنس

شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں ایک مشن ہے۔ اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کوشش کیجیے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔ خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنائیے۔

زرِاعانت سالانہ 400 روپے   تاحیات 5000 روپے   خصوصی تعاون 10,000 روپے

نام.................................. پتہ ....

فون نمبر..................................

چیک بنام ارقم فاؤنڈیشن اور منی آرڈر بنام ایڈیٹر، 136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور بھجوائیے۔

اور ٹیکنالوجی کس فکر پر کھڑی ہے؟ سوال یہ ہے کہ جس فکر وتہذیب نے پچھلے تین سو سال سے آپ کے معاشرے کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے، آپ کی فکری اساس اور ملی وجود خطرے میں ڈال دیا ہے، آپ آج بھی اس کے مطالعے اور اس کی تفہیم کے لیے تیار نہیں ہیں؟ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب تک آپ اس فکر وتہذیب کو سمجھتے نہیں اس کا رد کیسے کریں گے؟ کیا یہ اسلام اور مسلم معاشرے کی ضرورت نہیں کہ مغربی فکر وتہذیب کا رد کیا جائے؟ اسلامی فکر وتہذیب پر مسلمانوں کا اعتماد ویقین بحال کیا جائے اور اس کا مغربی فکر وتہذیب سے برتر ہونا ہر مسلمان پر ثابت کیا جائے؟ اور کیا یہ آج کی ضرورت نہیں کہ مغربی فکر وتہذیب کے حوالے سے مسلمانوں کی راہنمائی کی جائے اور اس تہذیب سے تعامل کے نتیجے میں امت کو درپیش مسائل کا اسلامی تناظر میں حل پیش کیا جائے؟ اگر اس کی ضرورت ہے تو یہ سب کچھ کیسے کیا جا سکتا ہے جب تک مغربی فکر وتہذیب کا مطالعہ نہ کیا جائے، اسے سمجھا نہ جائے؟

آج ایک غزالی کی ضرورت ہے جو ''تہافۃ الفلاسفہ' لکھے لیکن تہافۃ سے پہلے تو 'مقاصد الفلاسفہ' جاننے کی ضرورت پڑے گی۔ ہمارے دینی مدارس ابھی تک مقاصد الفلاسفہ جاننے پر تیار نہیں تو تہافۃ الفلاسفہ کی منزل کب آئے گی؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ قدیم یونانی فلسفہ آج بھی دینی مدارس میں (تھوڑا بہت) پڑھایا جاتا ہے لیکن جدید مغربی فلسفہ جو آج اسلام اور مسلمانوں کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے، اسے پڑھانے پر مدارس تیار نہیں ہیں۔ وہ افلاطون اور ارسطو کو تو جانتے ہیں لیکن کانٹ، ہیگل اور سارتر سے بے خبر ہیں۔

تو ہمارا دوسرا استفسار یہ ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلامی نشأۃ ثانیہ کے لیے (بلکہ مسلم معاشرے کو تباہی و بربادی سے بچانے کے لیے) دینی مدارس کے علماء کرام غور فرمائیں کہ مغربی فکر وتہذیب کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کی راہ عمل کیا ہونی چاہیے؟ دین کا ایک طالب علم ہونے کے ناطے ہم بھی اس ضمن میں کچھ عرض کر سکتے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ علماء کرام اس موضوع پر غور فرمائیں۔ یہ ان کا مسئلہ ہے، انہیں اس پر سوچنا چاہیے اور کسی نتیجے پر پہنچ کر کوئی لائحہ عمل وضع کرنا چاہیے۔

ہم نے اس مضمون میں دو امور کی طرف دینی مدارس کے علماء کرام کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے۔ ہماری رائے میں ان دونوں باتوں کا مسلمانوں کی تعلیم وتربیت سے بہت گہرا تعلق

☆ ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ، نزد ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

ہے اور دینی مدارس جب تک ان امور پر غور کر کے کوئی لائحہ عمل طے نہیں کرتے اور اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے، ہماری طالب علمانہ رائے میں، وہ اپنا کام مؤثر طریقے سے نہیں کر سکتے اور نہ مطلوبہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

مولانا خلیل الرحمن قادری ☆

تعلیمی ثنویت کے نقصانات

بدقسمتی سے ہمارا نظام تعلیم ثنویت کا شکار ہو چکا ہے بلکہ علوم شرعیہ اور علوم عصریہ کے درمیان بُعد روز بروز بڑھتا چلا جارہا ہے اس بُعد اور ثنویت نے ہر دو علوم کو یکساں متاثر کیا ہے۔

ہمارے دینی مدارس اگرچہ ہر سال افراد تو پیدا کر رہے ہیں لیکن عصری علوم شامل نصاب نہ ہونے کے باعث وہ افراد (الا ماشاء اللہ) نہ تو عصر حاضر کے سماجی و معاشرتی، معاشی و اقتصادی اور ملکی سیاسی مسائل سے کماحقہ، آگاہ ہوتے ہیں اور نہ ہی قرآن وسنت کی ابدی تعلیمات کی روشنی میں ان مسائل کا قطعی اور مؤثر حل پیش کرنے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ اس عجیب صورت حال نے فکرِ اسلامی کو ساقط و جامد کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف مستشرقین مسلسل پوری قوت کے ساتھ اسلام کو عصر حاضر کے لیے ایک ناقابل عمل دین اور تہذیب رفتہ ثابت کرنے کی جسارت کر رہے ہیں دوسری طرف ہماری وہ نسلیں جنہوں نے باطل افکار و نظریات کے استیلاء کے دور میں آنکھیں کھولی

منتقلی دفاتر

تحریک اصلاح تعلیم کے دفاتر یکم اپریل 2011ء سے 135-A ہنزہ بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور سے 71-A فیصل ٹاؤن (عقب فیصل ہسپتال/ دفتر پیپلز پارٹی) منتقل ہو گئے ہیں۔

فون 042-3614 9359، 0300-460 9522

ہیں باطل افکار سے مرعوبیت کے باعث عملاً اسلام سے مایوس ہوتی جارہی ہیں۔

اسی طرح عصری علوم صدیوں سے ارتقاء پذیر رہنے کے باوجود عالم انسانیت کو درپیش مسائل کا ٹھوس اور قطعی حل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم جسے مسئلہ کا حل قرار دیتے ہیں کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ حل بجائے خود ایک نیا اور لاینحل مسئلہ بن جاتا ہے۔ مسائل اور حل کی اس آنکھ مچولی کا منطقی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مسائل رفتہ رفتہ پیچیدگیوں میں اس قدر الجھ گئے ہیں کہ ان کا سلجھانا محال نظر آتا ہے عصری علوم کا یہ تحرک وارتقاء مسائل کا قطعی اور مؤثر حل اس لیے فراہم کرنے سے معذور رہا ہے کہ اس کا قبلہ ہی درست نہیں تھا۔

دینی مدارس سے فارغ التحصیل طلباء کو گویا معاشرے میں عملی اور متحرک شہری کے طور پر قبول ہی نہیں کیا جاتا۔ اس صورتحال نے بھی ہمیں درج ذیل بڑے نقصان پہنچائے ہیں:

اولاً، دینی مدارس سے فارغ التحصیل حضرات کا عملی شعبہ ہائے زندگی سے انقطاع معاشرے میں ان کا وقار اور احترام مجروح کرنے کا باعث بنا ہے۔

ثانیاً، اس انقطاع کے باعث اسلام کی آفاقیت، ہمہ گیریت اور جامعیت کے تصورات متاثر ہوتے ہیں۔

ثالثاً، ہمارے معاشرتی ڈھانچے میں رفتہ رفتہ عیسائیت کی طرح دین اور دنیا کی تفریق کے مہلک جراثیم پھیلتے جارہے ہیں۔

رابعاً، اس انقطاع کے باعث متمول گھرانے تو درکنار متوسط خاندان بھی اپنے ذہین بچوں کو دینی مدارس کے قریب نہیں جانے دیتے۔

خامساً، یہ انقطاع عملی شعبہ ہائے زندگی کے لیے بھی اس لحاظ سے ضرر رساں ہے کہ ان شعبوں کو علوم شریعت سے بہرہ ور رجال کار میسر نہیں آتے جو اپنی دردمندی، اخلاص بصیرت اور ژرف نگاہی سے ان شعبوں کے احوال بدل سکیں۔

نظام تعلیم کے اس دہرے پن کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ نہ صرف دینی مدارس کے طلباء عملی شعبہ ہائے زندگی سے الگ تھلگ رہتے ہیں بلکہ وہ عصری تقاضوں کو کماحقہ نہ سمجھنے کے باعث اسلام کی خدمت بھی مؤثر انداز میں نہیں کر پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ خدمت دین کے لیے سرگرم اداروں کو وہ رجال کار خال ہی میسر آتے ہیں جو دعوت وتبلیغ اور تحقیق و تدریس کی ذمہ داریاں بطریق احسن سرانجام دے سکیں۔

اس قحط الرجال نے اسلامی تحریکوں کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ آج اگر اسلامی تحریکوں

کی بھی کوئی مؤثر خدمت کرنی ہے تو ہمیں ایسے رجال کار بکثرت تیار کرنے ہوں گے جن کا ایک ہاتھ قرآن وسنت کے فیضان کی خیرات وصول کررہا ہو تو دوسرا ہاتھ زمانے کی نبض پر ہو۔

اندریں حالات ایسے تعلیمی اداروں کا قیام ملک وملت کی اولین ترجیح اور ناگزیر ضرورت ہے جہاں نہ صرف ہر دو علوم پڑھائے جائیں بلکہ استعماری سازشوں کے باعث علم میں پیدا ہو جانے والی اس مہلک ثنویت کا قلع قمع بھی کیا جاسکے، اور معاشرے کو ایسے رجال کار میسر آسکیں جو عملی شعبہ ہائے زندگی کے احوال بھی سنوار سکیں اور اسلام کی خدمت کا فریضہ بھی بطریق احسن سرانجام دے سکیں۔

اسلامی تربیت مینوئل ڈاکٹر محمد امین

بچے کی اسلامی تربیت میں سکول انتظامیہ کا کردار

سکول بچے کی تربیت پر بڑی حد تک اثر انداز ہوسکتا ہے اگرچہ گھر میں والدین، بہنوں بھائیوں اور خصوصاً والدہ کا رویہ بچے کی سیرت کی تعمیر اور کردار سازی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور خاندان، گلی، محلے اور معاشرے کا ماحول بھی بچوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض دیگر ادارے خصوصاً میڈیا (بشمول ٹی وی کارٹونز اور بچوں کے پروگرام) بھی بچوں کی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سکول بھی بچے کی زندگی میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے اور اگر سکول چلانے والوں کو اپنی اس ذمہ داری کا احساس ہو تو وہ بچے کی صحیح اور اسلامی خطوط پر تربیت میں مؤثر کردار ادا کرسکتے ہیں بلکہ اگر وہ چاہیں تو اسکول سے باہر جو دیگر عوامل بچے کی غلط تربیت کرتے ہیں وہ ان پر بھی اثر انداز ہو کر بچے کی تربیت میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔

سکول ایک ادارہ ہے جس کے مختلف حصے اور عناصر بچے کی تربیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان عناصر میں سکول انتظامیہ، استاد، نصاب اور سکول کا ماحول بشمول ہم نصابی وغیر نصابی سرگرمیاں شامل ہیں۔ اب ہم بچے کی تربیت کے حوالے سے اس میں سے ہر عنصر کے کردار پر روشنی ڈالیں گے۔

سکول انتظامیہ

یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہو کہ آج کل ہمارے ہاں سکولوں کا جو ماحول ہے اس میں بچوں کی تربیت پر

سب سے زیادہ سکول انتظامیہ اثر انداز ہوتی ہے۔ روایتی طور پر نصاب اور استاد کا کردار اہم سمجھا جاتا ہے (اور ان کی اہمیت سے انکار کیا ہی نہیں جا سکتا) لیکن جب نصاب کے تعین اور استاد کے تقرر و تربیت کا انحصار اور سکول کے ماحول کا فیصلہ یہ سب سکول انتظامیہ کے پاس ہو تو ظاہر ہے اس کی اہمیت سب سے بڑھ جاتی ہے۔

پاکستان میں سکول پرائیویٹ سیکٹر میں بھی ہیں اور پبلک سیکٹر میں بھی۔ جب تک پرائیویٹ سیکٹر کو تعلیمی عمل میں شرکت کی اجازت نہ تھی، سرکاری سکول بہت اہمیت رکھتے تھے لیکن تعلیمی عمل میں پرائیویٹ سیکٹر کی شمولیت کے بعد سے پرائیویٹ سیکٹر کے سکول اہمیت اختیار کرتے گئے اور اب گورنمنٹ سکول بڑی حد تک صرف غریبوں کے بچوں کے لیے رہ گئے ہیں جو پرائیویٹ سکولوں کی فیس ادا نہیں کر سکتے۔ ان پبلک سیکٹر سکولوں کا معیار تعلیم بھی دن بدن گرتا جا رہا ہے اور ان کے حالات قابل اصلاح ہیں اور حکومت کو ان سکولوں کے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں کیونکہ تعلیم میں ریاست کے کردار سے پہلو تہی خطرناک نتائج کی حامل ہوتی ہے۔

لیکن پیشتر اس کے کہ ہم نصاب کے تعین، اساتذہ کے تقرر و تربیت اور سکول کے ماحول کے حوالے سے سکول انتظامیہ کے کردار پر روشنی ڈالیں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اپنے معاشرے میں تعلیم اور سکول کے معروضی حالات پر بھی ایک نظر ڈال لیں تاکہ ہمیں اندازہ ہو جائے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جو سکول انتظامیہ کے اذہان وقلوب، فکر وعمل اور ان کے رویوں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔

سکول انتظامیہ سے ہماری مراد پرنسپل یا ڈائریکٹر ہے۔ سکول اگر ایک فرد کا ہو اور وہ چھوٹے پیمانے پر کام کر رہا ہو تو سکول پرنسپل اور مالک دونوں ایک ہی شخص ہوتا ہے لیکن پبلک سیکٹر کے علاوہ پرائیویٹ سیکٹر میں جب سے سکول سسٹمز وجود میں آ گئے ہیں یا بعض لوگوں نے تعلیم کو کاروبار بنا کر اس میں سرمایہ کاری شروع کر رکھی ہے تو سکول کی پالیسی انتظامیہ کے پاس ہوتی ہے اور پرنسپل ان کا ملازم اور ان کی پالیسی کو محض نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ہماری مخاطب سکول انتظامیہ ہے، وہ جو بھی ہو۔ تو آیئے بات کا آغاز سکول انتظامیہ کے وژن، مشن اور مقصدِ تعلیم کے حوالے سے کرتے ہیں۔

۱۔ سکول کا وژن، مشن اور مقصد تعلیم

اس سے مراد ہے کہ پاکستان میں سکول چلانے والوں کے پیش نظر مقاصد تعلیم کیا ہیں؟ لیکن پاکستان میں چونکہ کئی طرح کے سکول پائے جاتے ہیں لہٰذا ان کی اقسام کا ذکر ناگزیر ہے۔ پاکستان

میں بنیادی طور پر دو طرح کے سکول پائے جاتے ہیں، ایک سرکاری یعنی پبلک سیکٹر میں اور دوسرے پرائیویٹ سیکٹر میں۔ سکولوں کی ایک تقسیم اردو اور انگلش میڈیم کے حوالے سے بھی کی جا سکتی ہے اور طبقہ واریت کے لحاظ سے بھی۔ اس آخری تقسیم میں کچھ تفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے:

- امیروں کے سکول (ایلیٹ کلاس کے لیے): یہ دو طرح کے ہیں ایک زیادہ امیروں کے لیے اور دوسرے متوسط امیروں کے لیے۔
- متوسط طبقے کے سکول: یہ تین طرح کے ہیں: اعلیٰ متوسط طبقے کے سکول، متوسط طبقے کے اور نچلے متوسط طبقے کے سکول۔
- غریبوں کے سکول: یہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک ایسے غریبوں کے جو تھوڑی بہت فیس دے سکتے ہیں اور دوسرے بہت ہی غریب بچوں کے لیے فری سکول جو بعض مخیر حضرات اور این جی اوز (NGOs) نے کھول رکھے ہیں۔

سکولوں کی ایک تقسیم دینی یا مذہبی حوالے سے بھی کی جا سکتی ہے۔ اس کی بھی کئی انواع ہیں مثلاً ایک نوع 'اقرأ روضۃ الاطفال' جیسے سکولوں کی ہے جو بنیادی طور پر جدید اور مقابلتاً بہتر ماحول میں حفظ قرآن کے ادارے ہیں لیکن ان میں سے بعض نے اب جنرل سکول کی طرح بھی کام کرنا شروع کر دیا ہے اور وہ انگلش میڈیم سکولوں کی طرز پر کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض نے بدقسمتی سے مدارس والی مسلکی تقسیم جدید تعلیم میں بھی داخل کر دی ہے اور اس طرح کا ہر سکول ایک خاص مسلک کے بچوں کو پڑھا رہا ہے اور اب مسلک سے مناسبت رکھنے والا جدید نصاب بھی بننا شروع ہو گیا ہے اور بعض جگہوں پر بڑھایا بھی جا رہا ہے۔ اسلامی سکولوں میں بعض ایلیٹ کے لیے بھی ہیں اور ان میں اسے اکثر مکمل طور پر ویسٹرنائزڈ ہیں۔ متوسط طبقے کے سکولوں میں بھی بعض اسلامی ہیں اور بعض دینی جماعتوں کے متوسلین نے پوری چینز (chains) بھی کھولی ہوئی ہیں اور انفرادی سکول بھی ہیں جن میں سے اکثریت کے مالکان نے اسے ذریعہ روزگار بنایا ہوا ہے۔ اس طرح کے سکولوں میں نعرہ تو اسلام اور اسلامی تعلیم کا ہی ہے لیکن اس سے مطلوب متوسط طبقے کی اسلامیت کو اٹریکٹ کرنا نظر آتا ہے اور عملاً وہ کچھ خاص ڈیلیور نہیں کر رہے ہوتے، اور ان کا ماحول بھی عموماً سستی قسم کی مغربیت پر کاربند اداروں کا سا نظر آتا ہے۔

پرائیویٹ سیکٹر میں مذکورہ بالا سکولوں کی غالب اکثریت کے منتظمین کے پیش نظر تعلیم ایک کاروبار

☆ دیکھیے امام غزالی کی احیاء العلوم کی پہلی جلد کا پہلا باب 'کتاب العلم'

ہے(الا ماشاء اللہ) جس میں ہر آدمی حسب حیثیت و مصلحت شریک ہے اور ان کی اکثریت کسی واضح اسلامی وژن اور مشن کے ادراک سے محروم ہے اور انہیں اسلامی حوالے سے تعلیم کے مقاصد اور غایت کا شعور ہی نہیں۔ اکثریت تو اسے روزگار اور کاروبار بنائے ہوئے ہے اور اس سے اوپر اٹھ کر سوچتی ہی نہیں۔ اور جو کوئی اس سے ہٹ کر سوچتا ہے وہ اتنا ہی سوچ پاتا ہے کہ طلبہ کے نمبر اچھے آجائیں، انہیں فارغ التحصیل ہونے کے بعد اچھی ملازمت مل جائے یا وہ کاروبار کرنے کے قابل ہوجائیں۔ اس کے لیے انہیں پہننے بولنے کا سلیقہ آجائے، اچھی انگریزی آجائے (بلکہ وہ منہ بگاڑ کر امریکی یا انگریزی لہجے میں بولنے کے قابل ہوجائیں)، ان کی ابلاغی صلاحیت (کمیونیکیشن سکلز) بہتر ہوجائیں، انہیں صاف ستھرا اور سوٹڈ بوٹڈ رہنا آجائے اور ہائی سوسائٹی میں موو کرنے کے آداب کے وہ خوگر ہوجائیں۔ اس طرح کی گرومنگ (بعض اسے تربیت بھی کہتے ہیں) ہی ان 'اچھے' اور 'بامقصد' تعلیمی اداروں کا مقصد ہوتی ہے اور ایسا کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ قوم اور معاشرے کی بہترین خدمت کر رہے ہیں اور ریاست اور معاشرے کو ایسے افراد مہیا کر رہے ہیں جو 'قومی ترقی' میں اپنا کردار بخوبی ادا کر سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک تعلیم میں یہ اپروچ خالصتاً سیکولر اور مغرب سے مرعوب اور غلامانہ ذہنیت کی عکاسی ہے اور عملاً نتیجہ ہے اس تعلیمی حکمت عملی کا جو انگریز نے ہندوستان پر قبضے کے بعد مسلم نظام تعلیم کو تباہ کرنے کے بعد محکوموں کو نیا نظام تعلیم دیتے وقت اپنائی تھی اور جس سے ان کی غرض یہ تھی کہ تعلیم ایسے لوگ پیدا کرتی رہے جو مغربی فکر و تہذیب، مغربی لائف اسٹائل اور مغربی ترقی کو زندگی کی معراج سمجھیں اور نام کے مسلمان رہیں۔ اس سے ان کے پیش نظر کئی فائدے تھے ایک تو یہ کہ مسلمان غلام ہی رہیں اور ان کو حکومت چلانے کے لیے وفادار کارکن (یعنی کلرک اور بیوروکریٹ) ملتے رہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں اپنی شناخت (identity) یاد نہ رہے یا بالفاظ دیگر وہ اچھے مسلمان نہ رہیں یا بننے کی خواہش مند نہ رہیں۔ انگریز نے برصغیر میں اس غرض سے اپنا تعلیمی نظام ترتیب دیا اور پھر اس کی کوششوں سے مسلمان خود بھی اس 'کارخیر' میں شریک ہوگئے جس کے نمائندہ فرد سرسید احمد خان تھے۔

اسلام میں مقصد تعلیم

یہاں تک پہنچنے کے بعد قاری کے ذہن میں لازماً یہ سوال پیدا ہوگا (یا ہونا چاہئے) کہ اگر یہ سب 'اسلامی' نہیں ہے تو پھر تعلیم کی اسلامی غایت کیا ہے؟ دیکھیے تعلیم میں اسلام کی بنیادی غایت یہ

ہے کہ بچے کی فکر ونظر اسلامی ہوجائے، اس کے ذہن وقلب مسلمان ہوجائیں اور وہ عملاً مسلمان ہوجائے یعنی اسے پتہ چل جائے کہ اسلامی زندگی کیسی ہوتی ہے اور وہ کیسے گزارتے ہیں اور یہ تعلیم حاصل کرتے ہوئے اس کی ایسی تربیت ہوجائے کہ وہ عملاً ایسی زندگی گزارنے کے قابل ہوجائے۔ یہ ہے اسلام کا مقصدِ تعلیم اور انہی معنوں میں اسلام میں تعلیم لازمی ہے کہ ہر مسلمان کو اپنے حقوق و فرائض اور حلال وحرام کا شعور ہونا چاہیے کہ اس کے بغیر اس کا مسلمان ہونا ہی بے معنی ہے۔

اس کے بعد وہ علوم وفنون ہیں جن کی معاشرے اور ریاست کے مختلف شعبوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی یقیناً مطلوب ہیں اور ان کا پورا کرنا بھی عین اسلامی تقاضا ہے۔ لہٰذا تعلیم کا یہ جز و بھی اہم ہے کہ اس کے بغیر مسلم معاشرے اور مسلم ریاست کی بقا ممکن نہیں۔ اس لیے مسلمان ماہرین تعلیم پہلی طرح کی تعلیم کو فرض عین اور دوسری کو فرض کفایہ قرار دیتے ہیں☆۔ فرض عین سے مراد وہ تعلیم ہے جو ہر فرد مسلم کے لیے ضروری ہو جیسے ضروری دینی تعلیم اور فرض کفایہ سے مراد وہ تعلیم ہے جو ہر فرد کے لیے تو ضروری نہیں لیکن اتنے افراد کو ضرور حاصل کرنی چاہیے جس سے معاشرے اور ریاست کی ضرورت پوری ہوجائے جیسے میڈیسن اور انجنیئرنگ کی تعلیم۔ یوں یہ دونوں قسم کی تعلیم شرعی طور پر ضروری ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر نظامِ تعلیم کا پہلا جز و ختم ہوجائے تو نظام تعلیم غیر اسلامی ہوجاتا ہے اور اس کے برعکس بھی صحیح ہے۔ ویسے بھی عقل عام کی بات ہے کہ کامیاب نظام تعلیم وہی ہوتا ہے جو معاشرے کو ایسے افراد تیار کر کے دے جو اس معاشرے کو مطلوب ہوں اور اس کا آئیڈیل ہوں کیونکہ اگر نظام تعلیم ایسے افراد مہیا نہیں کرتا تو معاشرے کی بقاء، تسلسل اور استحکام خطرے میں پڑ جائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک مسلمان معاشرے کا نظام تعلیم ایسے افراد تیار کرے جو دنیوی مہارتوں کے ساتھ ساتھ فکری اور عملی طور پر مسلمان ہوں ورنہ وہ ناکام نظام تعلیم گردانا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ مسلم معاشرے میں ہر سکول کا وژن اور مشن ایسے افراد کی تیاری ہونا چاہیے جو علمی اور عملی طور پر اچھے مسلمان ہوں اور وہ معاشرے اور ریاست کی ضروریات پوری کرنے پر قادر ہوں۔ اس کے لیے ضروری اور ناگزیر ہے کہ سکول کی تعلیم ایسی ہو جو طلبہ کے ذہن وقلب کو مسلمان بنائے اور ان کی تربیت ایسی ہو جو انہیں زندگی عملاً اسلامی احکام کے مطابق گزارنے کے قابل بنائے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرے اور انہیں ایسے علوم وفنون میں طاق کرے جس سے وہ

معاشرے اور ریاست کے مفید کارکن بن سکیں۔

یہ عقل عام (کامن سینس) کی بات ہے جسے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ ہماری مندرجہ بالا گفتگو کا مطلب یہ نہیں کہ یہ سارے کام سکول کے کرنے کے ہیں اور کالج اور یونیورسٹی کا اس میں کوئی کردار نہیں بلکہ یہ بات خود بخود واضح ہے کہ یہ وژن، مشن اور مقصد تعلیم مسلم معاشرے کے ہر تعلیمی ادارے کا ہے خواہ وہ جس سطح کا بھی ہو — گو وہ تعلیم طلبہ کی عمر اور صلاحیتوں کے مطابق ہی دے گا۔ مطلب یہ کہ سکول اپنے طلبہ و طالبات کو جو تعلیم دے گا وہ سکول سطح ہی کی ہوگی لیکن وہ ایسی ہوگی جو ان مقاصد کو پورا کرنے والی ہو۔

خلاصہ یہ کہ پاکستان میں سکول انتظامیہ کے ہر فرد کے ذہن میں یا ہر اس شخص کے ذہن میں جو نیا سکول کھولنا چاہتا ہے یا اس وقت سکول چلا رہا ہے یہ واضح ہونا چاہیے کہ اس کے سکول کھولنے کا مقصد کیا ہے؟ یہ مقصد بنیادی طور پر یہ ہے کہ اس نے بچوں کو فکری اور عملی طور پر مسلمان بنانا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور انہیں ان فنون وعلوم کی تعلیم دینا ہے جو پاکستانی معاشرے اور ریاست کی ضرورت ہیں۔ جو سکول ایسا نہیں کرتا وہ ایک ناکام سکول ہے۔ (جاری ہے)

ڈاکٹر محمد امین

تعلیم کی بربادی

تعلیم کی صوبوں کو منتقلی اور ایچ ای سی کی تحلیل

پاکستانی نظام تعلیم پہلے ہی تباہی کے راستے پر گامزن تھا کہ پاکستان کی نااہل اور کرپٹ مرکزی حکومت اسے مزید تباہ کرنے پر تُل گئی ہے۔ تعلیم کا انتظامی ڈھانچہ پہلے ہی صوبوں کے پاس تھا لیکن پالیسی سازی، نصاب سازی اور نگرانی کا کام مرکزی حکومت کے پاس تھا اور ظاہر ہے کہ اگر قومی یکجہتی مطلوب ہے تو یہ کام مرکز کے پاس ہی رہنے چاہئیں لیکن اٹھارویں آئینی ترمیم کے بعد جب مرکز کے کچھ شعبے صوبوں کو دینے کا فیصلہ ہوا تو بے عقلوں نے اس میں تعلیم کے مذکورہ شعبوں کو بھی شامل کرلیا۔ اس کے خلاف لوگوں نے آواز اٹھائی، ہم نے بھی ''البرہان'' میں لکھا لیکن مرکزی حکومت نے ضد دکھائی اور اس معقول بات پر کان دھرنے سے انکار کرتے ہوئے شعبۂ تعلیم کو صوبوں کو دینے کا فیصلہ برقرار رکھا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اب ہائر ایجوکیشن کمیشن کو بھی تحلیل کر کے متعلقہ اختیارات صوبوں کو

دینے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ ہائر ایجوکیشن کمیشن ملک میں اعلیٰ تعلیم کی نصاب سازی، تدریس و تحقیق کی کوالٹی، اعلیٰ تعلیم کے فروغ اور نگرانی کا کام کرتا ہے۔ اگر اسے تحلیل کر دیا گیا اور ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم بھی صوبوں کو دے دی گئی تو یہ ملک کی یکجہتی سے کھیلنے اور صوبہ پرستی کو فروغ دینے کے حوالے سے بہت بڑا اقدام ہوگا۔ ہم اس کی بھرپور مخالفت اور مذمت کرتے ہیں۔

اس سے بدتر یہ کہ اہل دانش کی طرف سے کمیشن کو توڑنے کی مخالفت کے بعد عقل کے اندھوں نے (اخباری اطلاعات کے مطابق) یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایچ ای سی کو تو بہرحال توڑ دیا جائے اور اس کے اختیارات صوبوں کو دے دیے جائیں لیکن اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک مرکزی ادارے کی ضرورت پر اہل دانش کے اصرار کے پیش نظر ایک نیا غیر مؤثر ادارہ بنا دیا جائے جو ایچ ای سی کی طرح خود مختار اور طاقتور نہ ہو بلکہ جس کی لگامیں بیوروکریسی اور سیاستدانوں کے ہاتھوں میں ہوں تاکہ ایچ ای سی سیاستدانوں کی جعلی ڈگریوں کا راز فاش کر کے جس طرح سیاسی مافیا کے لیے پریشانی کا سبب بنی تھی، نیا ادارہ اس طرح کی کوئی جرأت نہ کر سکے۔ پیپلز پارٹی کی مرکزی حکومت کی یہ منطق عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ہے اور اس کی تعلیم، اخلاق اور میرٹ دشمن پالیسیوں کی مظہر اور زندہ ثبوت ہے جس پر اسے شرم آنی چاہیے۔

پاکستان اس وقت جن گونا گوں مسائل کا شکار ہے اور اس کے دشمن اسے ختم اور کمزور کرنے کے لیے جن بے شمار جہات میں کام کر رہے ہیں ان میں ایک اس کے نظام تعلیم کو تباہ کرنا بھی ہے۔ چنانچہ تعلیم اوّل تو ہے ہی برائے نام، نہ یہ کسی مرکزی اور صوبائی حکومت کی ترجیح ہے اور نہ اس کے لیے وافر فنڈز مہیا کیے جاتے ہیں۔ جو تھوڑی بہت ہے اسے بھی اس کی نظریاتی جہت سے ہٹانے اور اسے مغربی فلسفۂ تعلیم کے مطابق ڈھالنے کے لیے امریکی اور یورپی دباؤ کو قبول کیا جا رہا ہے (اقوام متحدہ کا نام اور کام بھی اس ضمن میں استعمال ہو رہا ہے)۔ چنانچہ انگریزی ذریعہ تعلیم، غیر مسلم و غیر پاکستانی مصنفین کی مرتب کردہ نصابی کتب، غیر ملکی امتحانات (او اور اے لیول)، مخلوط تعلیم، اردو و عربی کی عدم اہمیت، غیر مؤثر اور برائے نام مذہبی تعلیم اور مغربی طرز زندگی کی حامل ہم نصابی و غیر نصابی سرگرمیاں (جیسے مغربی یونیفارم، مخلوط مینا بازار، ڈرامے اور کنسرٹ۔۔۔وغیرہ) سب اسی لیے پاکستانی نظام تعلیم کا جزو بنائے گئے ہیں کہ یہاں مغرب کی غلامانہ ذہنیت رکھنے والی اور مغرب سے

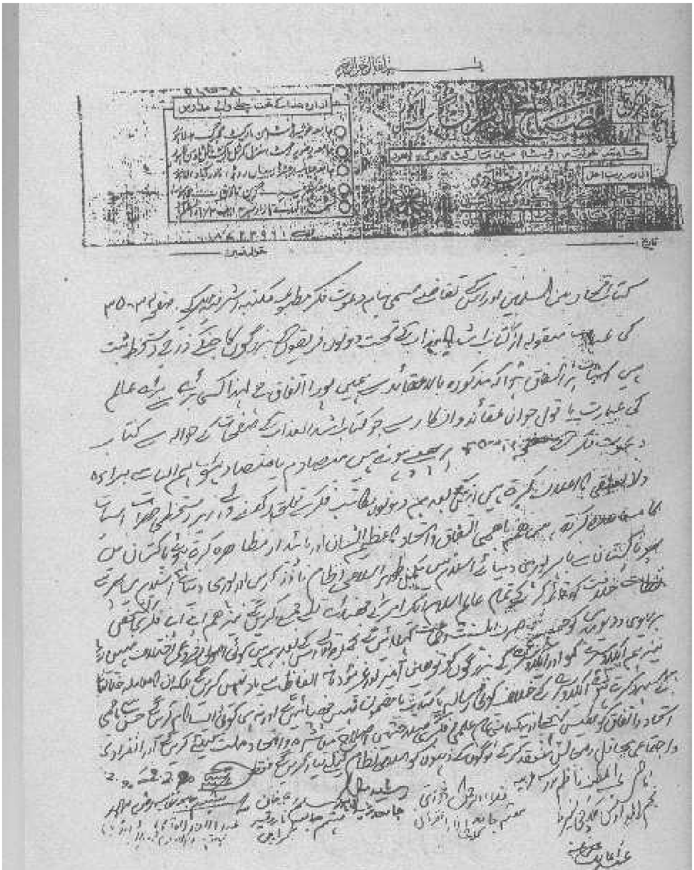

مرعوب نسلیں پروان چڑھائی جائیں جو اسلامی اقدار کو بھول کر مغرب کی ملحدانہ فکر و تہذیب کو اپنانے میں فخر و انبساط محسوس کریں۔

اسی غرض سے پاکستان میں پرائیویٹ سیکٹر کو تعلیم کے میدان میں کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ یہاں سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے معیار، نصاب، اساتذہ کی اہلیت اور تنخواہوں، فیسوں اور ہم نصابی سرگرمیوں ۔۔۔ پر کوئی چیک نہیں ہے۔ بھانت بھانت کے نصاب پڑھائے جارہے ہیں، اساتذہ کی اہلیت کا کوئی معیار نہیں، من مانی فیسیں وصول کی جاتی ہیں اور اچھے مسلمان اور اچھے پاکستانی تیار کرنے کی باتیں ہوا میں اڑا دی گئی ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ملک وملت کے خلاف گہری سازش ہے کیونکہ یہ نظام تعلیم ہی ہوتا ہے جو معاشرے کے عقائد واقدار کے مطابق افراد تیار کرتا ہے اور اگر یہ عمل رک جائے تو قومیں بانجھ ہوجاتی ہیں۔ پاکستان میں نظام تعلیم کے ساتھ جو کچھ ہورہا ہے وہ اس امر کا مظہر ہے کہ قوم کی قیادت ایسے ہاتھوں میں ہے جن کو ملک کی سالمیت، بقاء اور اس کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت سے کوئی دلچسپی نہیں یا شاید وہ کسی ملک دشمن ایجنڈے پر کام کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھے (آمین)۔

ادارہ

علماء دیوبند اور بریلی کے اتحاد کا ایک تاریخی معاہدہ

۱۲ فروری ۱۹۹۰ء کو حنفی مسلک کے علماء دیوبند اور بریلی کا ایک نمائندہ اجلاس منعقد ہوا جس میں دونوں مکاتبِ فکر کے سرکردہ اور نمائندہ علماء اکٹھے ہوئے اور انہوں نے باہمی اتحاد واخوت اور فکری

البرہان اب آن لائن بھی دستیاب ہے

البرہان کے شمارے اب آن لائن بھی دستیاب ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

www.safa.edu.pk

سراج محمود ناصر

0300-4609522

ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے متفقہ طور پر ایک فارمولا مرتب کیا جس کا متن درج ذیل ہے۔

’’۔۔۔کتاب ’اتحاد بین المسلمین اور اس کے تقاضے‘ مسمیٰ بنام دعوتِ فکر مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ مرید کے صفحہ ۳۴۔۳۵ کی عبارت منقولہ از کتاب ’اشد العذاب‘ کے تحت دونوں فریقوں کے بزرگوں کا جن کے دستخط ثبت ہیں، اس بات پر اتفاق ہوا کہ مذکورہ بالا عقائد سے ہمیں پورا اتفاق ہے لہٰذا کسی بڑے سے بڑے عالم کی عبارت یا قول جو اِن عقائد و افکار سے جو کتاب اشد العذاب کے صفحات کے حوالہ سے کتاب دعوتِ فکر کے صفحہ ۳۴۔۳۵ پر چھپے ہوئے ہیں، متصادم یا متضاد ہوں ہم ان سے برأۃ و لاتعلقی کا اعلان کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم دونوں مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے زیر دستخطی حضرات اس بات کا معاہدہ کرتے ہیں کہ ہم باہمی اتفاق و اتحاد کا عظیم الشان اور پائیدار مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان میں پھر پاکستان سے باہر پوری دنیائے اسلام میں مکمل طور پر اسلامی نظام نافذ کریں گے اور پوری دنیائے اسلام میں پھر سے نظامِ خلافت کو قائم کرکے تمام عالم اسلام کو ایک امیر کے جھنڈے تلے جمع کریں گے نیز ہم اپنے اپنے فکری تشخص (بریلوی و دیوبندی) کو ختم کرکے صرف اہلسنت و جماعت کہلائیں گے۔ بحمدہٖ تعالیٰ اس کے بعد ہم میں کوئی اصولی و فروعی اختلاف نہیں رہا نیز ہم ایک دوسرے کو اور ایک دوسرے کے بزرگوں کو توہین آمیز اور غیر مؤدبانہ الفاظ سے یاد نہیں کریں گے بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف کوئی رسالہ یا کتاب یا مضمون نہیں چھاپیں گے اور نہ ہی کوئی ایسا کام کریں گے جس سے باہمی اتحاد و اتفاق کو ٹھیس پہنچے اور یہ کہ اپنی تمام علمی وفکری صلاحیتیں اصلاح معاشرہ و اتحاد ملت کے لیے صرف کریں گے اور انفرادی و اجتماعی محافل و مجالس منعقد کرکے لوگوں کے ذہنوں کو اسلامی نظام کے لیے تیار کریں گے۔۔۔فقط۔۔۔۔۔‘‘

اس معاہدے پر دستخط کرنے والوں میں مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (ناظم جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)، مولانا مفتی غلام سرور قادری (ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن، لاہور)، مولانا عبد الاحد القاسمی (مہتمم دارالعلوم ،انڈیا) مولانا رشید میاں (لاہور) مولانا سلیم اللہ خان (مہتمم جامعہ

فاروقیہ، کراچی)، مولانا فدا الرحمن درخواستی (مہتمم جامعہ انوار القرآن ، کراچی)، مولانا عبدالمالک (جامعہ مرکز علوم اسلامیہ منصورہ، لاہور)اور مولانا عبداللطیف (ناظم مدرسہ عربیہ نجم المدارس، کراچی)وغیرہ شامل تھے۔

یہ معاہدہ اس بات کا ثبوت ہے کہ علماء کرام کے سنجیدہ عناصر اتحاد بین العلماء کے حامی اور موید ہیں اور اختلاف و انتشار کو ناپسند کرتے ہیں۔لہٰذا جو عناصر علماء کے درمیان انتشار وتشتت کو ہوا دیتے ہیں وہ نہ علماء کے خیر خواہ ہیں اور نہ امت کے۔علماء اورعوام کا مفاد اس میں ہے کہ ان کے اندر اتفاق واتحاد کی فضاء پروان چڑھے اور ان کے درمیان اخوت ومؤدت اور بھائی چارے میں اضافہ ہو۔

اس وقت جب کہ عالم کفر خود ہمارے حکمرانوں کے تعاون سے اپنی ملحدانہ فکر وتہذیب، ترغیب و ترہیب کے ہر ہتھکنڈے سے ہمارے معاشرے میں نافذ کرنے پر تُلا بیٹھا ہے، سارے مکاتب فکر کے علماء کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ متحد ہوکر اس صورت حال کا مقابلہ کریں۔اس کے لیے ضروری ہے کہ مذکورہ معاہدے کی نہ صرف تجدید کی جائے بلکہ اس قسم کا معاہدہ علماء دیوبند و بریلی کے علاوہ جمیع مکاتب فکر کے درمیان ہونا چاہیے اور اس پر مؤثر انداز سے عمل درآمد کے لیے ہر مسلک کے علماء پر مشتمل ایک نگران کمیٹی بھی بننی چاہیے تاکہ اتحاد کے اس معاہدے پر مؤثر طریقے سے عمل درآمد کی ضمانت بھی حاصل ہوجائے۔

تزکیۂ نفس، ترک رذائل علامہ احمد جاوید

طولِ امل ـــــ نقصانات اور علاج

حکم ربّانی

۔ ''ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ'' (الحجر 3:15)

اے نبیؐ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو چھوڑ دیں کہ وہ کھائیں، پیئیں، عیش کریں اور خیالی امیدوں میں مگن رہیں۔آئندہ انہیں اپنا انجام معلوم ہوجائے گا۔

۔ ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ O حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (التکاثر 102:2-1)۔لوگو! تمہیں بہت زیادہ حرص نے غافل کردیا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچتے ہو۔

فرمان نبوی

۔ ’’لایزال قلب الکبیر شاباًفی اثنین فی حب الدنیا و طول الامل‘‘ (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کراھۃ الحرص علی الدنیا)

بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے ایک دنیا کی محبت اور دوسرے لمبی لمبی تمنائیں۔

۔ ’’عن عبداللہؓ ابن مسعود قال: خط النبی ﷺ خطا مربعا و خط خطاً فی الوسط خارجاً منه، و خط خططا صغاراً الی ھذا الذی فی الوسط من جانبه الذی فی الوسط، فقال: ھذا انسان و ھذا اجل محیط به، و ھذا الذی ھو خارج امله، و ھذہ الخطط الصغار الاعراض، فان اخطأہ ھذا نھشه ھذا، و ان اخطأہ ھذا نھشه ھذا۔‘‘ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الامل وطولہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے زمین پر ایک مربع شکل بنائی۔ پھر اس کے وسط میں ایک خط کھینچا جو اس سے باہر نکل رہا تھا اور مربع کے وسط میں جو خط تھا اس سے باہر نکلتے ہوئے متعدد چھوٹے چھوٹے خط کھینچے اور فرمایا: یہ (مربع گویا) انسان (کا مسکن) ہے اور مربع کا بیرونی خط گویا موت ہے جو اس کو گھیرے ہوئے ہے اور جو خط باہر نکل رہا ہے وہ اس کی آرزوئیں اور تمنائیں ہیں اور یہ جو چھوٹے چھوٹے خط ہیں، یہ اس کے وہ تجاوزات ہیں جو وہ راہِ حق سے ہٹ کر کرتا ہے۔

س: طولِ امل سے کیا مراد ہے؟

ج: طولِ امل یعنی لمبی لمبی امیدیں باندھنا اور ایسی خواہشات رکھنا جن کی تکمیل کے لیے لمبا عرصہ درکار ہو۔

س: آپ کی تعریف سے یہ واضح نہیں ہوا کہ طولِ امل دنیاوی معاملات میں ہوتا ہے یا دینی امور میں بھی اس کا دخل ہوسکتا ہے؟

ج: طولِ امل دین میں بھی ہوتا ہے اور دنیا میں بھی۔ دین میں طولِ امل کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ساری دنیا میں اسلامی نفاذ اور غلبے کے خواب دیکھتا رہتا ہے لیکن خود اپنی ذات پر بالکل سامنے کے احکام کو بھی نافذ نہیں ہونے دیتا اور اسلام کے ان مطالبات پر تو اس کا دھیان نہیں رہتا جو گھنٹے دو گھنٹے میں ممکن العمل ہیں مگر منصوبے وہ لمبی مدت کے بناتا ہے جن کی کامیابی کے ضروری اسباب اسے میسر

نہیں ہوتے۔ یہ شخص گویا دین سے کوئی سچی اور سنجیدہ وابستگی نہیں رکھتا بلکہ اپنے دینی نقائص کو خود اپنی نظر سے اوجھل رکھنے کے لیے ایسی بڑی بڑی باتیں سوچتا رہتا ہے جو اگر پوری ہوجائیں تو دین کے عظیم ترین فضائل حاصل ہو سکتے ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں دینی معاملات میں طولِ امل اپنی بے عملی پر پردہ ڈالنے یا اس کی خلش سے بچنے کی ایک کوشش ہے۔

دنیا میں طولِ امل یہ ہے کہ ایک آدمی ترقی اور کامیابی کے ایسے منصوبوں میں خود کو منہمک کر لیتا ہے جنہیں پورا کرنے کے لیے عمر نوح بھی کم ہو۔ یعنی اس پر دنیا کی محبت کا ایسا غلبہ ہو کہ وہ بالکل سامنے کی چیز یعنی انسانی زندگی کی محدودیت کو بھی فراموش کر دیتا ہو۔

یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ بیشتر خرابیوں کی طرح اس خرابی کے بھی بعض نقصانات دینی ہیں اور بعض نفسیاتی۔

س: تو کیا نفسیاتی ضرر دینی ضرر نہیں ہوتا؟

ج: اگر دینی ضرر کو قانونی معنی میں یعنی آخرت کے نقصان کے معنی میں بدل لیا جائے تو ضروری نہیں کہ ہر نفسیاتی ضرر دینی ضرر بھی ہو، کیونکہ نفسیات میں خلل پیدا کرنے والی کئی چیزیں شریعت میں عذر سمجھی جاتی ہیں اور عذر کا مضر نہ ہونا واضح ہے مثلاً پاگل پن ایک نفسیاتی خرابی تو ہے مگر قانونی نقطۂ نظر سے اسے دینی خرابی نہیں کہا جا سکتا۔

س: ذرا ٹھہر کر طولِ امل کے دینی اور نفسیاتی نقصانات پر کچھ روشنی ڈال دیں؟

ج: طولِ امل کے دینی نقصانات:

۱۔ طولِ امل کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ بندے کے ذہن میں توکل، دعا، توفیق وغیرہ کا صحیح دینی تصور یا تو باقی نہیں رہتا یا اتنا بگڑ جاتا ہے کہ اسے ان چیزوں سے ادنیٰ مناسبت بھی حاصل نہیں رہتی مثلاً کسی غبی آدمی کا یہ دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اسے امام ابوحنیفہؒ بنا دے یا کسی ناکارہ شخص کی یہ امید کہ وہ اللہ کی توفیق سے عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا بن سکتا ہے یا کسی فاسق و فاجر کی یہ خوش فہمی کہ اللہ اسے جنت پیش کر دے گا۔ یہ سب طولِ امل کی مثالیں ہیں جن سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک یا تو توکّل کو مسخ کرتی ہے یا دعا اور توفیق کے تصور کو۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ توکّل، دعا اور توفیق وغیرہ تعلق باللہ کے وہ لوازم ہیں جو بندگی کی عمارت میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر انہی میں خرابی پیدا ہو جائے تو بقیہ عمارت کو گرنے سے کیسے روکا جا سکتا ہے؟ اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ عام طور سے طولِ امل سے بندگی کی ایک جھوٹی فضا پیدا ہوتی ہے جو بظاہر حقیقی بندگی کی فضا سے کہیں

زیادہ وسیع اور پُرکشش ہوتی ہے۔ اس میں مبتلا ہوکر بندہ بندگی کی حقیقی حدود سے اس طرح تجاوز کرجاتا ہے کہ اس کا فہم بھی بگڑ جاتا ہے اور ذوق بھی۔ ظاہر ہے کہ صحیح فہم اور صحیح ذوق سے محروم ہوکر دین سے تعلق کی کوئی شرط بھی پوری نہیں ہوسکتی۔

۲۔اس سے ایک خاص طرح کا نفاق پیدا ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ آدمی کی نظر اپنی حقیقی شخصیت کی بجائے مفروضہ شخصیت پر مرکوز ہوجاتی ہے۔یعنی وہ یہ نہیں دیکھتا کہ میں واقعتا کیسا ہوں۔ بلکہ جو وہ ہونا چاہتا ہے اسے اپنی حقیقی شخصیت فرض کرلیتا ہے۔ یہ نفاق کی وہ قسم ہے جو کلیتاً قانونی نہ ہونے کے باوجود اپنے بعض مضمرات کی وجہ سے اصطلاحی نفاق سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ ایسا آدمی لاشعوری اور غیر ارادی طور پر ہی سہی مگر دین کی حقانیت کا زیادہ قائل نہیں رہتا اور اس کے باوجود خود کو دین کے اعلیٰ مراتب پر دیکھتا ہے یا دیکھنا چاہتا ہے۔

۳۔ بے عملی، یعنی طولِ امل کی وجہ سے طبیعت میں روزمرہ کے ضروری دینی اعمال کی طرف سے بے رغبتی بلکہ تحقیر سی پیدا ہوجاتی ہے کیونکہ جو شخص خواب میں بادشاہ بنا بیٹھا ہو وہ بیداری میں مزدور بننا پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح جو لوگ بہت بڑے بڑے منصوبے بناتے رہتے ہیں وہ اپنی عملی صلاحیت اور اس کے استعمال کی طرف زیادہ مائل نہیں ہوتے۔ یہی بے رغبتی اور عدم میلان بڑھتے بڑھتے بے عملی کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ ویسے یہ بھی ملحوظ رہے کہ بے عملی طولِ امل کا ایک بڑا محرک بھی ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ طولِ امل بے عملی سے پیدا ہوتا ہے اور بے عملی ہی پیدا کرتا ہے۔

۴۔خود پسندی: طولِ امل کے بنیادی محرکات میں بے عملی کے ساتھ خود پسندی سرفہرست ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ طولِ امل میں گرفتار شخص خود پسند نہ ہو۔

۵۔رجوع الی اللہ یعنی توبہ سے محرومی۔طولِ امل کے مارے ہوئے آدمی میں وہ آنکھ ہی اندھی ہوجاتی ہے جو اپنے نقائص کا مشاہدہ کرواتی ہے اور بندے کو استغفار پر اکساتی ہے۔

۶۔غور سے دیکھیں تو طولِ امل ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق ہے یعنی ادنیٰ استحقاق کے بغیر اللہ سے بڑے بڑے مطالبے کرنا اس سے مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟

طولِ امل کے نفسیاتی نقصانات:

۱۔ بے عملی، دنیاوی پہلو سے

۲۔شعور اور ارادے کے فطری تعلق کا کمزور پڑ جانا۔ اس سے آدمی نارمل انسانوں کی فہرست میں

☆ سائنٹسٹ/ مذہبی سکالر، امریکہ

شامل رہنے کے قابل نہیں رہتا۔
۳۔ وہم اور التباس کا غلبہ
۴۔ پست ہمتی اور فرار پسندی
۵۔ خوش فہمی خصوصاً اپنے بارے میں
۶۔ غیر متوازن داخلیت، جس سے آدمی کے اندر دوسری چیزوں سے تعلق کی استعداد کم ہوتے ہوتے غائب ہوجاتی ہے۔
۷۔ دوہری شخصیت یا شیزوفرینیا یعنی آدمی کی شخصیت کا دو حصوں میں بٹ جانا اور غیر حقیقی شخصیت کا حقیقی شخصیت پر غالب آجانا۔

طولِ امل کے انہی نقصانات کی وجہ سے قرآن حکیم نے بھی اس کی مذمت کی ہے(الحجر ۱۵:۳) اور رسول کریم ﷺ نے بھی اسے فساد کی جڑ قرار دیا ہے(سنن بیہقی، شعب الایمان، دارالکتب العربیہ، بیروت ۱۹۹۰ء)۔

س: طولِ امل کا علاج کیا ہے؟

ج: طولِ امل اگر دنیاوی معاملات میں ہوتو اس کا بہترین علاج انفاق ہے۔ انفاق اگر اپنے مطلوبہ معیار کے ساتھ ہوتو یہ دنیاوی طولِ امل کا فطری علاج ہے۔ انفاق کے بارے میں تفصیلی کلام تو ان شاء اللہ ہم آئندہ کریں گے، تاہم سردست اس کا وہ پہلو واضح کر دینا ضروری ہے جسے ابھار کر طولِ امل سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ پہلو جو ایک طرح سے انفاق کی روح ہے، یہ ہے کہ اپنی کوئی پسندیدہ یا ضروری چیز اللہ کی راہ میں دے دی جائے۔ اس کے بغیر انفاق اندر سے ناقص ہے اور اتنا مؤثر بہرحال نہیں رہتا کہ کسی باطنی خرابی کا ازالہ کرسکے۔ اپنی پسندیدہ چیزیں اللہ کی راہ میں دے دینا یا کسی دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر عملاً ترجیح دینا، آدمی کو پہلے ہی قدم پر دنیا اور اس عارضی زندگی کی محبت سے ایک درکار حد تک دور کردیتا ہے۔ یہ دوری ہی دراصل طولِ امل کا علاج ہے۔

دوسرا علاج، جو دراصل نفاق ہی کا ایک شعبہ ہے، یہ ہے کہ آدمی دولت اور جائیداد وغیرہ بنانے کی تگ و دو میں اتنا مشغول نہ ہوجائے کہ بعض شرعی مطالبات واضح طور پر مجروح ہونے لگیں۔ یہ شرعی مطالبات یاد رہے کہ صرف قانونی سطح تک محدود نہیں ہیں۔ اللہ اپنے بندوں کو حصول فرائض میں حریص دیکھنا چاہتا ہے۔ ہماری وہ مصروفیات جو اس حرص کو ختم یا کمزور کردیں ہماری اس بندگی کو کامل نہیں ہونے دیتیں جس کا اللہ تعالیٰ ہم سے مطالبہ کرتا ہے۔ گویا اگر کوئی شخص اپنی ضروریات سے

زائد اسباب کے لیے اتنا وقت اور محنت صرف کرتا ہے کہ اس کے اندر دین میں آگے بڑھنے کا تقاضا مدہم پڑنے لگے تو اس آدمی کو اس بارے میں سنجیدگی سے فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ ہے کہ دنیا جمع کرنے کی بیشتر صورتوں سے بچنے کی کوشش کریں۔ اس کوشش میں جتنی کامیابی ہوتی جائے گی اتنی ہی طولِ امل سے رہائی کی صورتیں بھی نکلتی چلی جائیں گی۔

اصولی بات یہ ہے کہ جو بندہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دے گا اور اخروی زندگی کو دنیوی زندگی کے مقابلے میں زیادہ حقیقی سمجھے گا وہ طولِ امل سے نکل جائے گا۔ یہ اصول کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

طولِ امل کا ظہور دینی سرگرمیوں میں بھی ہوتا ہے۔ اس کے عموماً دو اسباب ہوتے ہیں: اپنے آپ کو ممتاز کرنے کی خواہش اور جذبات کا ذہن پر غالب آجانا۔ پہلا سبب ظاہر ہے کہ منافئ اخلاص ہے اور اپنی جگہ طولِ امل سے بھی ایک بڑی بُرائی ہے البتہ دوسری وجہ مخلص لوگوں کو پیش آتی ہے اور غلط ہونے کی صورت میں بھی لائق اجر ہے۔ تاہم علاج دونوں کا ضروری ہے۔ پہلی صورت میں علاج کا واحد راستہ اخلاص کی کمی کو دور کرنا ہے۔ اس کی تدبیروں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ دوسری صورت میں علاج کی دو سادہ سی ترکیبیں ہیں:

۱۔ اس بات پر یقین کہ بندہ نتائج پیدا کرنے کا مکلف نہیں ہے۔ ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کبھی خالی از مصلحت نہیں ہوتی۔ اس استحضار سے جذبات کی وہ شدت کم ہوجاتی ہے جو ذہن سے کام نہیں لینے دیتی۔

۲۔ زمینی حقائق یعنی اپنی صلاحیت اور باہر کی صورتحال کا صحیح اندازہ لگانا۔ اس سے ذہن میں وہ قوت پیدا ہوجاتی ہے جو جذبات کو غالب آنے سے روک سکتی ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ طولِ امل دنیاوی معاملات میں ایک ہولناک چیز ہے۔ دینی امور میں اس کی بنیاد سرے سے غلط بھی ہو تو بھی مثبت ہے، لہٰذا علاج کے لیے ترجیح اس کی پہلی قسم کو دینی چاہیے کیونکہ اس سے ایک رذیلے کا ازالہ ہوگا۔ طولِ امل کی دینی نوعیت کا معالجہ کسی بُرائی کے خاتمے کے لیے نہیں بلکہ ایک فضیلت یعنی فراست کے حصول کے لیے ہے۔

تزکیۂ نفس ڈاکٹر گوہر مشتاق☆

شیطان ہمیں کیسے ورغلاتا ہے؟

اسلام اور جدید نفسیات کی روشنی میں

قرآن حکیم کے مطابق شیطان بنی نوع انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ انسان کے خلاف شیطان کے حربے نہایت منظم ہوتے ہیں تا کہ وہ بنی آدم کو تباہ و برباد کرڈالے۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت نہیں بخشی کہ وہ انسان کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اُس سے گناہ کروالے البتہ شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی طاقت دی گئی ہے: ''مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ'' (الناس ۱۱۴:۴)۔جس انسان کا دل روحانی طور پر مضبوط ہوگا تو شیطان کا وسوسہ کمزور ہوگا لیکن اگر انسان کا دل بیمار ہوگا تو شیطان کی وسوسہ اندازی کامیاب اور کارگر ہوگی۔

شیطان، انسانوں کی نفسیات سے بخوبی واقف ہے کیونکہ اُس کے پاس ہزاروں سال کا جمع شدہ (collective) تجربہ موجود ہے۔ اس کے برعکس انسانوں کی اکثریت شیطان کی نفسیات اور اس کے حربوں کو نہیں سمجھتی۔ ابلیس کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اُس کے ہتھکنڈوں میں تخلیقی جدت (originality) نہیں ہوتی وہ بار بار اپنے قدیمی حربے انسان پر استعمال کرتا ہے اور انسان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اُسے اللہ کی نافرمانی پر اُبھارتا ہے۔ مشہور نومسلم سکالر مریم جمیلہ اپنی کتاب "The Generation Gap: Its Causes & Consequences" (مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۱ء) میں انسانی فطرت کے متعلق لکھتی ہیں: ''انسان کے رجحانات، اُس کی حیاتیاتی اور نفسیاتی ضروریات، اس کی جسمانی اور ذہنی قابلیتیں، اُس کے برائی کی طرف میلانات اور اُس کی اخلاقی اور روحانی اقدار کی ابدی تلاش جو اُسے جانوروں سے ممتاز کرتی ہے، ان سب چیزوں میں انسان اوّل کے ظہور سے لے کر اب تک کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔''

ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان

حدیثِ رسول ﷺ میں آیا ہے: ''جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری) علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ رمضان میں شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے سوائے ایک قسم کے شیطان کے اور وہ ہے قرین۔ یہ شیطان ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے اور چوبیس گھنٹے اور ہفتے کے ساتوں دن اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا ہے۔ اس شیطان کا بزنس کبھی ماند نہیں پڑتا۔ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ صرف اللہ کے نبی اس سے محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ

انبیاء ورُسل کی زندگیوں میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے ہدایت رکھی ہے۔

ایک رات حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے۔حضرت عائشہؓ کے دل میں خیال آیا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف نہ لے گئے ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے اور عائشہؓ کو غصے میں پایا تو ان سے فرمایا: ''اے عائشہ! کیا تمہارا شیطان تم پر حاوی ہوگیا تھا؟''

حضرت عائشہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: ''یا رسول اللہ ! کیا ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں'' حضرت عائشہؓ نے پوچھا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: ''ہاں! البتہ اللہ نے میری مدد فرمائی اور میں نے اُسے مسلمان کرلیا ہے۔''(صحیح مسلم)

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آج کی شب ایک سرکش جن (شیطان) میری ایذارسانی کے لیے چھوٹ نکلا تا کہ کسی طرح میری نماز قطع کرادے مگر اللہ نے مجھے اُس پر قدرت عطا فرمادی اور میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اُس کو مسجد کے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں تا کہ صبح تم سب اس کو دیکھ لو لیکن پھر مجھے اپنے بھائی سلیمانؑ کی دعا یاد آ گئی' 'پروردگار مجھے ایسی بادشاہت عنایت فرما جو میرے بعد کسی اور کو زیبا نہ ہو' چنانچہ میں نے اُسے چھوڑ دیا۔''(صحیح بخاری)

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ'' شیطان چونکہ یہ جانتا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں وسوسہ اندازی نہیں کرسکتا لہٰذا اُس نے کوشش کی کہ کسی طرح آپ کی نماز میں ہی دخل انداز ہوجائے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ اس پر بھی قادر نہ ہوسکا اور ناکام واپس لوٹا۔''(الیواقیت و الجواہر)

شیطان کی انسان کے خون میں گردش

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: ''اِ□ِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ''(یٰس 60:36) (بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ شیطان باغی تو اللہ کا ہے لیکن وہ اپنا دشمن انسان کو سمجھتا ہے۔ دراصل ابلیس اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا

سکتا۔مزید برآں، وہ اپنے جنت سے نکلنے کا مُوردِ الزام انسان کوٹھہراتا ہے۔

ابلیس انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔شیطان کے لیے یہ طریقہ واردات آسان ہے کیونکہ وہ انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرسکتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی جسم میں خون کی گردش کی دریافت کا سہرا برطانوی سائنس دان ولیم ہاروے (William Harvey) کے سر ہے جس نے اپنی کتاب *On the Motion of Heart and Blood in Animals* میں یہ دریافت بیان کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے ولیم ہاروے سے صدیوں پہلے حدیث میں ہمیں بتادیا تھا کہ شیطان بھی ہمارے جسم میں اِسی طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے!

انسان پرحملہ آور ہونے کے لیے شیطان کے تین دروازے

انسان کی شخصیت میں داخل ہونے کے لیے شیطان کو کسی کھلے دروازے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ آدمی کو اپنے جال میں پھنسا سکے۔ایک مرتبہ شیطان اُس کھلے دروازے سے داخل ہوجائے تو پھر وہ بڑی مہارت کے ساتھ شخصیتِ انسانی کے قلعے کو مسمار کرنا شروع کرتا ہے۔انسان پر حملہ آور ہونے کے لیے شیطان تین دروازے استعمال کرتا ہے:

۱۔غصہ

غصہ ایک ایسا جذبہ ہے جو آدمی کو اپنے دفاع کے لیے ودیعت کیا گیا ہے لیکن اگر اِس کو قابو میں نہ رکھا جائے تو انتہائی تباہ کن صفت ثابت ہوتا ہے۔رسول کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

''ان الغضب من الشیطان وان الشیطان خلق من النار وانما تطغی النار بالماء فاذا غضب احدکم فلیتوضا (سنن ابی داؤد)۔

''غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے۔آگ کو پانی سے بجھاتے ہیں پس جب تم میں سے کوئی غصے کی حالت میں ہوتو وہ وضو کرلے۔''

جب ہم آگ کی طبعی خصوصیات پر غور کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آگ اپنی فطرت میں بے ہنگم

(Chaotic) ہوتی ہے اور بڑی آسانی سے کنٹرول سے باہر ہوجاتی ہے۔ جونہی آگ کنٹرول سے باہر نکلے وہ تباہی پھیلانا شروع کردیتی ہے۔آگ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اوپر کی طرف اٹھتی ہے جبکہ خاک کی یہ صفت ہے کہ وہ نیچے کی طرف کھینچتی ہے(اسی لیے انسان کی خوبی عاجزی اختیار کرنے میں ہے)۔اس لیے جب کوئی شخص غصے میں آئے تو شیطان اُس کی انا(Ego) کو بھڑکا کر اس کے غصے کو ایندھن فراہم کرتا ہے۔ایک دوسری حدیث میں ارشاد رسول ﷺ ہے: ''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جنہیں غصہ دیر سے آتا ہے اور جلدی ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔۔۔غصے سے ہوشیار رہو کہ یہ بنی آدم کے دل پر جلتے کوئلے کی مانند ہے۔''(ترمذی)

شیطان انسانوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے غصے کے دروازے کو استعمال کرتا ہے۔ جب بندے کو غصہ چڑھ جائے تو پھراُس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماؤف ہوجاتی ہیں۔شدید جذبات کی وجہ سے اس کے دماغ کے سوچنے کا حصہ عارضی طور پر ناکارہ ہوجاتا ہے اور غصے کی حالت میں وہ شخص ناسمجھی اور گناہ کے کام کر بیٹھتا ہے۔ امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر ڈینیل گولمین(Dr. Daniel Goleman) اپنی کتاب "*Emotional Intelligence*"میں لکھتے ہیں کہ چونکہ غصہ ایک انتہائی شدید جذباتی محرک ہوتا ہے اس لیے جب ایک شخص غصے کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کا دماغ جذباتی ہائی جیکنگ(Emotional Hijacking) کا شکار ہوجاتا ہے۔ ایسے موقع پر دماغ کے جذباتی حصے (Emotional Centers) انسانی دماغ کو اُچک کر لے جاتے ہیں اور دماغ کے غور اور تجزیہ کرنے کے حصوں (Analytical Centers of Brain) کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس موقع پردراصل دماغ کے جذباتی حصے بالخصوص Amygdala دماغ کے سوچنے سمجھنے والے حصوں کے مقابلے میں نہایت تیزی سے کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان غصے کی حالت میں انسان سے جلد بازی کے ساتھ کوئی حماقت کروا بیٹھتا ہے جس کا پچھتاوا ساری عمر انسان کو رہتا ہے۔اسی لیے حدیث میں آیا ہے: ''**العجلة من الشیطان**''(جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے)۔

۲۔خواہشات

انسان کا مادۂ ترکیب دو چیزوں یعنی خاک اور روح پر مشتمل ہے۔انسانی جسم کے اجزائے ترکیبی اسی دنیا سے مہیا ہوئے ہیں جبکہ اس کے جسم میں روح ایک فرشتہ اللہ کے اذن سے پھونکتا ہے۔اس لیے انسانوں کے اندر بیک وقت دوطرح کی فطرتیں (Dualistic Nature) پائی جاتی ہیں۔ انسان کے حیوانی وجود یعنی جسم کی خواہشات وہی ہوتی ہیں جو دیگر حیوانوں کی ہوتی ہیں جبکہ انسانی روح کی خواہش آسمانی ہوتی ہے۔اس لحاظ سے عبادت کی خواہش یا کسی ہستی کو اپنا پروردگار بنانے کی خواہش دراصل روح کی طلب ہوتی ہے جبکہ کھانا، پینااور رہائش وغیرہ جسمانی خواہشات ہیں۔ مادی اشیاء کی محبت کا جذبہ انسان میں ایک نہایت قومی محرک ہے بالخصوص جبکہ مادی اشیاءمحسوس کی جاسکتی ہوں۔ اسی لیے ابلیس انسان پر حملہ آور ہونے کے لیے مادی خواہشات کا دروازہ استعمال کرتا ہے۔ دنیاوی وجسمانی خواہشات انسان کی عمر کے مختلف ادوار میں بدلتی رہتی ہیں اور شیطان اس چیز کا خاص طور پر خیال رکھتا ہے مثلاً شیطان یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ غیر شادی شدہ نوجوانوں کی دلچسپی کا سامان موسیقی، مخلوط محفلوں اور دوستوں یاروں کے ساتھ وقت ضائع کرنے میں رکھا ہوتا ہے۔اس لیے نوجوانوں پر شیطان انہی چیزوں کا جھانسا دے کر حملہ آور ہوتا ہے۔

لڑکیاں جب بلوغت کے دور میں پہنچتی ہیں تو جسم میں جنسی ہارمونز کی زیادتی کی وجہ سے وہ ڈیپریشن کا شکار ہوجاتی ہیں اس لیے ایسے دور میں شیطان انہیں کلاسیکی موسیقی میں سکون ملنے کی جھوٹی امید دلاتا ہے۔ اس کے برعکس لڑکے جب بلوغت کے دور میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے جسم میں ٹیسٹو سٹیرون (Testosterone) ایک جنسی ہارمون کی ۲۵ گنا زیادتی کی وجہ سے ان کی طبیعت میں بے چینی اور سرکشی (Aggression) کی طرف میلان بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے شیطان انہیں پاپ میوزک اور بُرے دوستوں کی محفلوں کی طرف آسانی سے مائل کر لیتا ہے۔

جب شادی کے بعد گھر بار بسا کر لوگوں کی طبیعتوں میں ذرا ٹھہراؤ آجائے تو شیطان لوگوں کی دوسری کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے جو معاشرے میں اپنا معیارِ زندگی (Standard of

Living) بلند کرنے کی کبھی نہ ختم ہونے والی دوڑ ہے۔ جب مرد اور عورتیں اپنا معیارِ زندگی اونچے سے اونچا تر کرنے کی جدوجہد شروع کرتے ہیں تو پھر یہ دوڑ قبر پر جا کر منتج ہوتی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُo حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (التکاثر 102:1-2)۔'' تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دُھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ اسی فکر میں تم قبر تک پہنچ جاتے ہو۔''

۳۔غفلت

انسان پر قابو پانے کے لیے جو تیسرا دروازہ شیطان استعمال کرتا ہے وہ سستی، کاہلی اور عمل کرنے میں تاخیر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی طبیعت کا میلان آرام طلبی کی طرف ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انسان بھلکڑ واقع ہوا ہے۔ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عربی لفظ ''انسان'' کے متعلق فرمایا تھا: ''ان سمی الانسان انسانا لانه عهد اليه فنسی

''انسان کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے اللہ سے بندگی کا عہد کیا لیکن پھر وہ بھول گیا۔''

عربی زبان میں ''نسی ینسی'' سے مراد بھول جانا ہوتا ہے۔ اسی سے لفظ ''نسیان'' (بھولنے کی بیماری) نکلا ہے۔ پس انسان آسانی سے اپنی موت سے غافل ہو جاتا ہے۔ اسی غفلت کی طرف قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ''اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ وَھُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ'' (الانبیاء 21:1) ''قریب آ گیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔''

قرآن کی زبان میں غفلت سے مراد انسان کا اپنی اخروی فلاح سے غافل ہوجانا ہے۔ لوگ عام طور پر موت کے متعلق سوچنا بھی پسند نہیں کرتے بالخصوص جوانی کی موت۔ لیڈی ڈیانا اور مدر ٹریسا کی وفات ایک ہی دن ہوئی لیکن لوگوں کو حیرانی مدر ٹریسا کی وفات پر نہیں تھی کیونکہ وہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ عوام کے لیے تعجب کی بات لیڈی ڈیانا کی جوانی میں موت تھی حتیٰ کہ لوگ یہ کہتے ہوئے پائے گئے "She was too young to die" (وہ تو بہت جلدی مرگئی)۔ لوگ یہ بھول گئے کہ ملک

الموت جب روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو انسان سے اس کی عمر نہیں پوچھتا۔ امریکی ماہر نفسیات ڈاکٹر ارنسٹ بیکر نے اپنی پیولٹزر انعام یافتہ کتاب "The Denial of Death" (مطبوعہ نیو یارک ۱۹۹۷ء) میں بیان کیا ہے کہ اس دنیا میں تمام جانداروں میں انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے قدرت نے اتنی ذہنی صلاحیت بخشی ہے کہ وہ اپنے آخری انجام یعنی موت کے متعلق غور وفکر کرسکتا ہے۔ انسانی ذہن کی رسائی اس کائنات کی لامتناہی وسعتوں تک ہوتی ہے لیکن اس کا جسم ایسا ہے کہ بالآخر اس نے فنا ہونا ہے جسے قبر کے کیڑے کھاتے ہیں۔ انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں جاتے ہوئے ڈاکٹر بیکر بیان کرتے ہیں کہ انسانوں کی اکثریت سچائی کے سامنے ہوتے ہوئے بھی تمام عمر جھوٹ کے خول میں گزار دیتی ہے یعنی بچپن سے ہی اکثر لوگ اس احساس کو کہ ہم نے بالآخر مرنا ہے، ہر ممکن طریقے سے دباتے ہیں۔ دنیا کے تمام معاشروں میں ہیرو پرستی (Hero worship) کا تصور دراصل علامتی طور پر اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ ہم لافانی ہیں۔

شیطان انسان کو موت سے غافل کرتا ہے۔ اسے اس چیز پر ابھارتا ہے کہ وہ ٹی وی اور ڈش کے سامنے بیٹھ کر ریموٹ کنٹرول پر چینل بدلتا رہے حتیٰ کہ اس کی اپنی زندگی کا چینل موت کا فرشتہ آ کر بدل دے۔ کمپیوٹر پر بیٹھ کر لایعنی گپ شپ (Chatting) کرکے اور عریانی دیکھ کر اپنی قبر کو گناہوں سے بھاری کرے۔ ریڈیو، ٹی وی اور یوٹیوب (You tube) پر گانے سنتا اور دیکھتا ہوا ایسا غافل ہو کہ نہ نماز کی پرواہ رہے اور نہ دنیا کی۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا تھا: ''**الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا**'' یعنی لوگ دنیا میں غفلت کی نیند سوتے رہتے ہیں اور جب وہ مریں تو (انہیں حقیقت کا ادراک ہوتا ہے اور) وہ جاگ اٹھتے ہیں۔''

تالیفات ڈاکٹر محمد امین

تعلیم وتربیت

	صفحات	قیمت
۱۔ **ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل۔ چند نظریاتی مباحث** (دوسرا ایڈیشن)	۵۴۰	۲۵۰ روپے
اسلامی تناظر میں تعلیمی نظام کی تشکیل نو۔ ماڈل اسلامی سکول، یونیورسٹی اور نظام تعلیم کا عملی خاکہ ثنویت کے خاتمے کا طریق کار، نفاذ اسلام اور مسلم سائنس ثانیہ میں تعلیم کا کردار، وغیرہ		
۲۔ **ہمارا دینی نظام تعلیم** ☆	۳۱۴	۳۵۰
دینی تعلیم کے چار وفاقوں کے ذمہ دار علماء سے طویل مشاورت اور مباحثے کے نتیجے میں دینی مدارس کے لیے اصلاحی تجاویز اور متبادل نصاب		
۳۔ **تعلیمی ادارے اور کردار سازی**	۱۵۳	۸۰
اس سوال کا جواب کہ جدید تعلیمی اداروں میں اسلامی نقطہ نظر سے بچے کی تربیت اور کردار سازی کیسے کی جاسکتی ہے؟		
۴۔ **جدید اسلامی نصاب تعلیم** ☆	۲۳۱	۲۶۰
پہلی سے بارھویں جماعت تک، سارے مضامین کے لیے، دینی اور عصری علوم کے امتزاج پر مبنی		
۵۔ **پاکستان میں تعلیم کی اسلامائزیشن** ☆	۴۲	۴۷
۶۔ **مطالعۂ قرآن وحدیث** (برائے جماعت اوّل تا پنجم)	۲۴۰	۱۹۰
ہر جماعت کے لیے الگ۔ مروجہ دینیات سے الگ اور زائد مطالعہ کے لیے		
۷۔ **بروشرز**		
۱۔ پرائیویٹ سکولوں کے نام ایک اہم پیغام	۱۲	
۲۔ طلبہ کی اسلامی تربیت۔ کیوں اور کیسے؟	۱۶	
۳۔ انگلش میڈیم۔ فائدے اور نقصانات	۱۲	۵۰
۴۔ دینی مدارس کے نام۔ ایک اہم پیغام	۱۲	

۵۔ والدین کے نام ایک اہم پیغام — زیر طبع

۶۔ نوجوانوں کے نام ایک اہم پیغام — زیر طبع

تربیت وتزکیہ

۱۔ **اسلام اور تزکیۂ نفس۔ مغربی نفسیات کے ساتھ تقابلی مطالعہ** — ۹۰۴ — ۶۰۰
تعمیر سیرت کا اسلامی منہج قرآن وسنت کی روشنی میں۔ مسلم ادارے اور
تجربات۔ مغربی فکر وعمل سے ان کا موازنہ۔ ایک علمی، فکری اور تحقیقی تجزیہ

۲۔ **ترکِ رذائل** — ۲۹۲ — ۱۹۰
بُرے اخلاق، ان کے اسباب، نقصانات اور ان سے بچنے کے عملی طریقے

۳۔ **حقیقتِ تزکیۂ نفس** (سوالاً جواباً) ☆ — ۵۵ — ۵۲
مختصر، سادہ، عام فہم اور غیر اختلافی انداز میں اہم مسئلے کی وضاحت

۴۔ **حقیقتِ تصوف** — ۸ — ۵

قرآن وسنت

۱۔ **سورہ یٰسین** — زیر طبع
دو رنگوں میں، بیک وقت تین تراجم (لفظی، بامحاورہ اور تفسیری)
مع قرآنی عربی الفاظ کے اردو استعمالات کی نشاندہی کے

۲۔ **Riyadh-us-Saliheen (2 Vols)** — ۱۴۵۴
۱,۰۰۰
حدیث اور تزکیۂ نفس کی معروف کتاب ریاض الصالحین
اور اس کے حواشی کا انگریزی ترجمہ

۳۔ **Noble Quran, Part 1** ☆ — ۷۰ — ۶۰
قرآن حکیم کے پہلے پارے کا انگریزی میں لفظی ولغوی ترجمہ

۴۔ **Noble Quran, Part 2-9** ☆ — ۸۳۸ — ۹۳۸
پارہ ۲ تا ۹ کا انگریزی میں لفظی ولغوی ترجمہ

فقہ وقانون

۱۔ عصر حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون ☆ — ۲۷۳ — ۳۰۰

۲۔ **Islamization of Laws in Pakistan** — ۲۵۸ — ۲۰۰